راز
آئینۂ تمثال دار

رفیق راز

(آئینۂ تمثال دار)

ریحانہ اختر

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

Rafiq Raaz
(Aaina-e-Timsaldar)
by
Rehana Akhtar
W-10 Tulsi Bagh, Srinagar
Ph: 0194-2313281, Mob: 09419732015
Year of Edition 2010
ISBN 978-81-8223-667-7

Price Rs. 250/-

نام کتاب	رفیق رازؔ (آئینۂ تمثال دار)
مُرتّبہ	ریحانہ اختر
سنِ اشاعت	۲۰۱۰ء
قیمت	۲۵۰ روپے
تعداد	۵۰۰
کمپوزنگ	ضمیر اندرابی
مطبع	عفیف آفسیٹ پرنٹرس، دہلی ۶

تقسیم کار

☆ شب خون کتاب گھر، پوسٹ بکس نمبر 13، الہ آباد۔210003
☆ ایجوکیشنل بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ
☆ کتاب گھر، مولانا آزاد روڈ، سری نگر / کنال روڈ جموں

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
3108,Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6(INDIA)
Ph : 23216162, 23214465, Fax : 0091-11-23211540
E-mail: info@ephbooks.com,ephdelhi@yahoo.com
website: www.ephbooks.com

ترتیب

"انتساب"

اپنے لختِ جگر

سید محمد سبزان ختائی کے نام

(جس کی معصوم مسکراہٹ میری زندگی کا سرمایہ ہے)

بیاو حال اہل درد بشنو

بلفظ اندک و معنی بسیار

پیش لفظ

جموں کشمیر کے معاصر اردو شعرا اپنی ممتاز تخلیقی صلاحیتوں اور سرگرمیوں کے تناظر میں جس قدر و قیمت اور توجہ کا تقاضا کرتے ہیں وہ ابھی پورا ہوتا نظر نہیں آتا۔ مظہر امام نے بہت پہلے اپنے قیام کشمیر کے دوران ایک مختصر مضمون کی صورت میں حق ادائی کی کوشش کی تھی۔ لیکن بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ اس مضمون سے ہمارے نقادوں کو کوئی تحریک نہ مل سکی۔ چنانچہ مظہر امام نے کچھ اضافے کے ساتھ اسی مضمون کو اپنی کتاب تنقید نما میں شامل کرلیا۔ ریاستی کلچرل اکیڈیمی نے بہت قبل جموں و کشمیر کے اردو ادب پر ایک خصوصی شمارہ شائع کیا تھا۔ اسی طرز کی ایک کوشش محکمہ اطلاعات نے بھی کی تھی۔ لیکن شیرازہ اور تعمیر کے ان خصوصی شماروں میں شامل معاصر اردو شاعروں کے حوالے سے جو مضامین شامل ہیں ان کی حیثیت تذکروں سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ سرونج (مدھیہ پردیش) سے شائع ہونے والے سہ ماہی جریدے انتساب کے شمارہ نمبر 46 میں "نئی غزل نئے امکانات" کے عنوان سے ایک مضمون جموں و کشمیر کے معاصر اردو شعرا کے حوالے سے شامل ہے۔ یہ مضمون شیرازہ کے خصوصی نمبر کا چربہ معلوم ہوتا ہے۔ ادھر ڈاکٹر فرید پربتی کا ایک مضمون شاعر ممبئی میں شائع ہوا جس میں جموں و کشمیر کے موجودہ اردو شاعری کے منظرنامے پر سرسری اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ شعبہ اردو سے وابستہ چند ریسرچ

اسکالروں نے اپنے مقاموں میں کہیں کہیں اس ضمن میں خامہ فرسائی کی ہے۔ لیکن مجموعی طور پر اب تک ایسی کوئی کوشش نہیں کی گئی ہے جو حقیقی معنوں میں جموں وکشمیر کے معاصر شعرا کی تخلیقی صلاحیتوں کو متعارف کرانے میں بارآور ثابت ہوتی۔

میں یہ بات بلا خوف تردید کہہ سکتی ہوں کہ اس وقت جو اردو شاعری جموں وکشمیر میں تخلیق ہورہی ہے کسی اور جگہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ حامدی کاشمیریؔ، رفیق رازؔ، فاروق نازکیؔ، پرتپال سنگھ بیتابؔ،، مظفر ایرجؔ شفق سوپوریؔ، نذیر آزاد، فرید پربتی، ترنم ریاضؔ، رخسانہ جبیںؔ، شبنم عشائیؔ، نسرین نقاشؔ، وغیرہ نے اردو کے اعلیٰ حلقوں میں ممتاز مقام حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ ہندوستان یا پاکستان کا کوئی ایسا خطہ نہیں جہاں بیک وقت اتنی تعداد میں بہترین شعرا کی کہکشاں موجود ہو۔ ہماری ریاست سے وابستہ بعض شاعروں اور شاعرات پر کئی نمائندہ رسالوں نے گوشے بھی شائع کئے ہیں۔ انفرادی طور پر بلند پایہ نقادوں نے اظہار خیال بھی کیا ہے۔ لیکن کوئی ایسی مبسوط تصنیف ہنوز منعقہ شہود پر نہ آسکی جسے مدلل اور مفصل حوالے کا درجہ حاصل ہوتا۔

ایسی صورت میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے حالات پر ماتم کرنے اور نقادوں کی مصلحت کوشش پر رونے سے بہتر ہے کہ اپنے مقدور کے حساب سے کوئی بھی قدم اٹھایا جائے۔ میرے خیال میں جب تک ہم کوئی اپنا مخلص اور درد مند نقاد پیدا کرتے ہیں اپنے مقدور کے حساب سے کچھ نہ کرنا ضروری ہے۔ اسی جذبے کے تحت میں نے اردو کے مقتدر اور معتبر شاعر جناب رفیق رازؔ کے فن اور ان کی شخصیت پر تحریر شدہ مضامین کو یکجا کر کے کتابی صورت میں چھاپنے کا ارادہ کیا۔ اگر مجھے آپ کا تعاون حاصل رہا تو میں اس سلسلے کو آگے بڑھانے کی کوشش کروں گی کہ

میری بساط بس اتنی ہی ہے۔ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے سلسلے میں جن حضرات نے میری معاونت کی میں تہہ دل سے ان کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتی ہوں۔ ان حضرات میں پروفیسر حامدی کاشمیری، پروفیسر قدوس جاوید، ڈاکٹر شفق سوپوری، جناب رئیس الدین رئیس، جناب دیپک بدکی، جناب ظریف احمد ظریف، جناب بشیر اطہر، کی میں خاص طور سے ممنون ہوں جنہوں نے اپنی نگارشات عنایت کر کے اس کتاب کی اشاعت کو ممکن بنا دیا۔ جناب رفیق راز بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے درویشانہ طبیعت اور اپنی بے نیازی کے باوجود مجھے اس کام کو انجام دینے کی اجازت دی۔

ریحانہ اختر

10 ڈبلیو تلسی باغ سرینگر۔

غلامِ آں کلماتم کہ آتش افروزد
نہ آب سرد زند در سخن بر آتش تیز

ڈاکٹر شفق سوپوری

مختصر سوانحی کوائف

رفیق رازؔ کا اصلی نام رفیق احمد ہے۔ ان کے والدِ گرامی خواجہ علی محمد شیمر اک تھے۔ خواجہ علی محمد شیمر اک معززین شہر میں شمار ہوتے تھے۔ مرحوم جموں و کشمیر گورنمنٹ آرٹس امپوریم میں جنرل منیجر کے عہدے پر سبک دوش ہوئے۔ راز کی والدہ ماجدہ حاجرہ بیگم شہرِ سرینگر کے معزز خان خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ خواجہ علی محمد کی گیارہ اولادیں ہیں۔ چار بیٹے اور چھ بیٹیاں، ایک بیٹی کا بہت پہلے انتقال ہو چکا ہے۔

رفیق رازؔ کی ولادت 1950ء کو شہر سرینگر کے براری پورہ، عید گاہ علاقے میں ہوئی۔ بچپن چمر دوری دلال محلّہ میں گذرا۔ 1956 میں سرینگر کے معروف مشنری سکول ٹینڈیل بسکو میموریل میں داخل ہوئے۔ جہاں سے انہوں نے 1663 میں میڈل پاس کیا۔ اس کے بعد آپ نے مشن سکول فتح کدل سے 1966ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اعلیٰ تعلیم کیلئے سرینگر کے سری پرتاپ کالج میں داخلہ لیا جہاں سے 1973ء میں بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد کشمیر یونیورسٹی سرینگر سے 1976ء میں ایم اے اُردو کا امتحان پاس کیا۔

رفیق رآز کی شادی خانہ آبادی شہر سرینگر کی ایک معروف شخصیت خواجہ عبدالاحد لون کی صاحب زادی یاسمین بانو سے 1983ء میں ہوئی۔ان کی نصف جنت کافی سلیقہ مند اور باحوصلہ خاتون ہیں۔ راز کی تین اولادیں ہیں۔ ایک صاحب زادہ فیضان رفیق انجیر نگ کی تربیت حاصل کر رہا ہے۔ دو صاحب زادیاں حائفہ رفیق اور صاعقہ رفیق زیر تعلیم ہیں۔

رفیق راز نے شعبہ کشمیری، کشمیر یونیورسٹی میں 1979 سے 1982 تک لیکچرر کی حیثیت سے اپنے فرائض منصبی انجام دیئے۔1982 میں ان کا تقرر ریڈیو کشمیر سرینگر میں پروگرام ایگزیکیٹو کی حیثیت سے ہوا۔ترقی کے مختلف منازل طے کر کے پہلے اسسٹنٹ ڈائریکٹر، بعد میں ڈپٹی ڈائریکٹر اور آخر پر ڈائریکٹر طعینات ہوئے۔ اس دوران انہوں نے لیہہ اور کرگل میں بھی اپنے فرائض منصبی انجام دیئے۔آپ نے عمرہ کے سلسلے میں 1994 میں سعودی عرب کا سفر کیا ہے۔ 1977 میں قومی کل لسانی مشاعرے میں کشمیری زبان کی نمائیندگی کی۔اس کے علاوہ متعدد ریاستی اور کل ہند مشاعروں، سمیناروں اور کانفرنسوں میں شریک ہوتے رہے ہیں۔آپ وادی کی دو اہم ادبی اور لسانی انجمنوں بزم شعرا اور کاشر محاذ کے صدر رہنے کے علاوہ 1989 سے 2002 تک ساہتیہ اکادمی دہلی کے ایڈوائیزری بورڈ کے رکن اور جوری ممبر بھی رہ چکے ہیں۔آپ برلا فانڈیشن کے ریفری بھی ہیں۔

رفیق رآز کے دوست احباب میں مرحوم حکیم منظوؔر، مرحوم شجاع سلطاؔن، ہمدم کاشمیرؔی، ذی شان فاضؔل، ملک بشیر اطہر، مسعود ساموؔن، اسفندیار خاؔن، ظریف احمد ظریؔف، اور شفق سوپورؔی قابل ذکر ہیں۔جن مشاہیر ادب سے رفیق راز کی

ارادت رہی ہے ان میں میر غلام رسول نازکی، پروفیسر محی الدین حاجنی، پروفیسر حامدی کاشمیری، فاضل کاشمیری، مرزا عارف بیگ، پروفیسر غلام نبی فراق، پروفیسر رحمٰن راہی، اور امین کامل اہم ہیں۔

رفیق رازؔ نے 1965 کے آس پاس شاعری کا آغاز کیا۔ سری پرتاپ کالج سرینگر کی ادبی محفلوں میں ان کا ذوق پروان چڑھا۔ اسی کالج کی بزم ادب میں پروفیسر محی الدین حاجنی اور پروفیسر غلام نبی فراق کے سامنے اپنی تخلیقات پیش کر کے داد تحسین وصول کرتے تھے۔

شاعری کا آغاز اگرچہ اردو زبان سے کیا لیکن 1972ء میں کشمیری زبان کی طرف مائل ہو گئے۔ راز نے دونوں زبانوں میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے۔ ان کا کلام ارود کے تقریباً سبھی نمایاں اور قابلِ قدر رسالوں کی زینت بنتا آرہا ہے۔ جن میں شب خون، مباحثہ، تحریک ادب، شاعر، آج کل، اثبات، نئی کتاب، انتساب وغیرہ رسالے قابلِ ذکر ہیں۔ اب تک رازؔ کی چار تصانیف منظر عام پر آ چکی ہیں۔

۱۔ نے چھے نالان (شعری مجموعہ کشمیری) 1996

۲۔ انہار (شعری مجموعہ اردو) 2004

۳۔ دستاویز\ (شعری مجموعہ کشمیری) 2006

۴۔ کاشِر زبان شاعری تہ عروض (عروضی مسائل کشمیری) 2008

اس کے علاوہ نثر میں درجنوں اہم موضوعات پر مضامین سپرد قلم کئے ہیں۔ جن کی تالیف کا عمل شروع ہو چکا ہے۔ رفیق رازؔ کو 1997 میں کشمیری شعری مجموعہ نے چھے نالان پر ساہتیہ اکادمی دہلی نے انعام سے نوازا ہے۔ اس کتاب پر اسی

برس ریاستی اکیڈیمی نے بھی ایوارڈ عطا کیا۔

رفیق رازؔ ایک فعال شاعر، ادیب ، نقاد اور محقق ہیں۔ انہوں نے کشمیری شاعری کے مزاج اور آہنگ میں جدت پیدا کرنے کے سلسلے میں ایک تاریخ ساز کردار ادا کیا ہے۔ اردو میں ان کی شہرت کا آفتاب دور دور تک چمک رہا ہے۔ ان کی کئی تصانیف، ترتیب، تدوین اور طباعت کے مراحل سے گذر رہی ہیں۔

......☆☆☆......

مظفر ایرج

بوجھل شعری زمینوں کا مسافر......رفیق رازؔ

1970ء میں ماہنامہ " نگینہ " جسے سرینگر سے چند سر پھرے نوجوان اجراء کرنے میں معاون و مددگار تھے کو ممبئی سے دو غزلیں موصول ہوئیں جو " نگینہ " کے زیرِ ترتیب شمارے میں بہ نفس ونفیس اشاعت پذیر ہوئی تھیں ۔ یہ دو غزلیں رفیق رازؔ کی تھیں ۔ محترم رفیق رازؔ جو اُن دنوں کسی کام کے سلسلے میں ممبئی گئے تھے کے ادبی سفر کا آغاز یہی دو غزلیں ثابت ہوئیں ۔ یہ دن اور آج کا دن رازؔ نے اپنے ادبی سفر میں پلٹ کر نہیں دیکھا ۔ اپنا ادبی سفر مسلسل اور متواتر آگے بڑھاتے رہے ۔ شاید یہی تواتر اور تسلسل رازؔ کی ادبی دنیا میں علاحدہ شناخت کا باعث بن گئے ۔ رازؔ کا ادبی سفر سہلِ ممتنع سے شروع ہو کر سنجیدہ اور بوجھل شعری زمینوں کے دلدلی راستوں سے گذر کر تخلیقی توازن کی پناہ گاہوں میں سیندھ لگانے میں مشغول ہے ۔

رازؔ کو اس حقیقت کا وجدان ہے کہ ادب محض تفنن طبع کا ذریعہ نہیں بلکہ زندگی کرنے کا سلیقہ بن چکا ہے علی الخصوص شاعری جو زمانے کی رکاب میں اپنے پاؤں جما کر ارض وسماوات کا سفر طے کرتے ہوئے زندگی کی ان حقیقتوں ، سچائیوں ، وارداتوں اور تجربوں کا احاطہ کرتے ہوئے ، جو ہمارے اندر اور ہمارے باہر موجود

ہے سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ بھی عطا کرتی ہے۔ اور راستہ بھی۔ اسی لئے رازؔ زندگی سے قریب تر نظر آرہے ہیں۔ جو اس بات کی نشاندہی کیلئے کافی ہے کہ رازؔ زندگی سے قریب تر نظر آرہے ہیں۔ شاید ذات کے اظہار کے اسی عمل نے رازؔ پر واضح کیا ہے کہ غزل اکھڑے ہوئے لہجے اور ناہموار اسلوب کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ لیکن رازؔ کو اس بات کیلئے بھی تیار رہنا چاہئے کہ اظہار ذات کیلئے زمین وزماں اور زمان ومکان کے رشتوں پر بھی کمندیں ڈالنی ہونگی تا کہ خیال تذبذب اور وسوسوں سے آزاد ہو جائے۔

انکشاف ذات اس عمل کی شروعات ہے جو ایک تخلیق کار کو اس کے اطراف و اکناف کی خبر دیتے ہوئے اُسکے تخیل کو مہمیز لگاتے ہوئے سفر کی مختلف سمتوں سے روشناس کرتا ہے۔ خیال، الفاظ، آہنگ، لہجہ، اسلوب اور احساس ایک نقطے میں سمٹ کر بھی رنگوں کی قوسِ قزح پورے ادبی منظرنامے پر پھیلتی ہوئی نظر آتی ہے۔ کچھ اسی طرح کے ردِ عمل سے رازؔ بھی گذر رہے ہیں اور رفتہ رفتہ اپنی مضبوط تخلیقی شخصیت کو اجاگر کرنے میں سرگرداں ہیں۔

رفیق رازؔ کا شعری مجموعہ "انہار" بھی منظرِ عام پر آچکا ہے اور اردو دنیا سے بھر پور داد اور پذیرائی حاصل کر چکا ہے یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ ریاست کے اکثر شعراء وادبا کو اس بات کا گلہ رہا ہے کہ اردو دنیا انہیں اپنی توجہ سے محروم رکھتے ہوئے انہیں درخور اعتنا نہیں سمجھتی۔ اس معاملے میں بھی رازؔ بڑے ہی خوش قسمت ہیں کہ ان کی شعری اساس اردو دنیا کی کسوٹی پر پوری اترتی ہے۔ اور ان کا کلام بحث کا بھی موضوع رہتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ رازؔ کا کلام اردو دنیا کے دارالضرب میں کھرا اترتا ہے تو بیجا نہ ہوگا۔

کوئی قلمکار اس حقیقت سے بے خبر نہیں کہ "لفظ" شعر کی کلید ہے اور رآز کو اس بات کا ادراک ہے کہ لفظ کی حیثیت ثانوی ہو جاتی ہے کیونکہ خیال Conception سے Delivery تک انتہائی نازک مرحلوں سے گذرتا ہے اور تحریر میں آنے تک نہ جانے کتنے الفاظ اپنی افادیت کھو چکے ہوتے ہیں اور ایک نیا Scenario سامنے آجاتا ہے۔ جو خیال کی ندرت اور لہجے کی مضبوطی کے باعث الفاظ کی درو بست کے اس آئینہ خانے میں ایک ایسے عکس سے روشناس کراتا ہے جو اسکی حقیقت کا راز دار بن جاتا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ کہ رآز بھی ضرورت پڑنے پر گنجلک اور پیچیدہ الفاظ کے استعمال سے گریز نہیں کرتے بلکہ انہیں مربوط کرنے کیلئے مصرعے میں کئی اضافتیں بھی لگاتے ہیں۔ شعر ایسے تجربوں سے بوجھل یا غیر ہموار کیوں نہ ہو جائے۔ رآز اپنی بات کہنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، ہاں فنی ارتقاء کے ساتھ ساتھ ایسے اشعار میں بھی کمی آتی جا رہی ہے۔ اور ان کا تخلیقی کینواس مزید وسیع ہوتا جا رہا ہے۔

رآز اکہری، یک رنگی، یک رُخی شاعری تخلیق نہیں کرتے بلکہ اُن کے تخلیقی منظر نامے میں ہمہ جہتی، وارداتِ قلبی اور وسعت نظری کے پیکر نظر آتے ہیں۔ جن کی تشریح یا تفسیر ضروری نہیں۔ کیونکہ یہ پیکر ذہن میں ارتعاش پیدا کرتے ہوئے دل کے آس پاس گدگدی کرتے ہیں۔ جس کی لذت اور نشہ گھنٹوں قائم رہتا ہے۔ اور کسی بھی اچھے شعر کا حُسن اسی ادا کا غماز ہوتا ہے۔ یہاں اس بات کا ذکر بھی ناگزیر ہے کہ ابتدا میں رآز نظمیں بھی کہتے تھے۔ ان کی ایک نظم "ماں" موضوع کے اعتبار سے مجھے آج بھی Haunt کرتی ہے۔ بعد میں انہوں نے اپنی تمام تر تخلیقی قوتیں غزل کہنے میں صرف کیں۔ اور غزل کو جس محبت، جذبے، سلیقے اور چابکدستی سے

برتا ہے وہ قابلِ ستائش ہے۔لیکن ۔

ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

اپنے تاثرات لکھتے ہوئے میں نے رآز کی پوری شاعری کا سہارا لیا ہے۔لیکن اشعار کو روایتی نقادوں کی طرح کوٹ نہیں کیا ہے۔کیونکہ میں ادبی جوہر پاروں کی درجہ بندی کا قائل نہیں۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ شعر کی Evaluation کرتے ہوئے ذاتی پسند و ناپسند کے عناصر نقد میں در آتے ہیں اور تخلیق کی قدر و قیمت کا اندازہ ذاتی تعلقات کی بنیادوں پر لگایا جاتا ہے اور "خوب،خوب تر" وغیرہ کے فتوے صادر کئے جاتے ہیں۔اسی کارن اردو ادب میں تخلیقی تنقید کا فقدان رہا ہے اور محض "من ترا حاجی بگویم تو مرا ملا بگو" کا بول بالا رہا ہے۔شاید یہی سبب ہے کہ Non Entities اردو ادب کے شہسواروں میں سب سے آگے نظر آتے ہیں۔ تخلیقی کرب سے گذرے بغیر تخلیق کی Evaluation ممکن ہی نہیں اور ہمارے مکتبی ناقدوں کو اس کا اندازہ خدا جانے کب ہوگا؟ ہوگا بھی کہ نہیں......رآز نے صرف اور صرف اپنی مضبوط تخلیقی بنیادوں پر اردو دنیا میں اپنا ایک جداگانہ مقام قائم کیا ہے۔

میری دعا ہے کہ رب تبارک تعلیٰ راز کے خیال کو مزید وسعت ،لفظ کو تاثیر ،لہجے کو گداز اور قلم میں روانی عطا کرے۔آمین۔

......☆☆☆......

ظریف احمد ظریف

رفیق راز شہرِ بے چراغ کا چراغ

عہدِ حاضر کے معروف اردو اور کشمیری زبان کے صاحب اسلوب شاعر ،ادیب اور نقاد رفیق رازؔ اور راقم کا مسکن شہر خاص کے تاریخی علاقے زینہ کدل کے آس پاس ہی ہونے کے سبب ہم آپس میں اکثر و بیشتر ملتے رہتے تھے۔ اور اُس وقت اندرونِ شہر میں منعقد ہونے والی ادبی ، علمی اور ثقافتی محفلوں اور مجلسوں میں ایک ساتھ شریک بھی ہوتے تھے۔ ایسی ادبی تقریبات پرائیویٹ تعلیمی ادارے چلانے والے صاحبِ ذوق اور ادب نواز لوگ اپنے ہی سکولوں میں آراستہ کرتے تھے۔ ان ہی دنوں مجھے راز صاحب کے ساتھ قربت ہوئی اور ان کی اردو اور کشمیری زبان میں کی جانے والی تخلیقات سے محظوظ ہونے کا موقع بھی ملا۔ میرے یہ عزیز القدر دوست اپنے ادبی شغُل سے بڑی سنجیدگی اور ذمہ داری سے وابستہ رہے۔ جس کی وجہ سے وہ ادبی حلقوں میں متعارف ہوتے ہی یہاں کے کہنہ مشق اور اساتذہ ،ادیبوں اور شاعروں ، سخنوروں اور ادب نواز دوستوں کی توجہ کا مرکز بنے ۔ جب کہ راقم اپنے ادبی ذمہ داریوں سے زیادہ یہاں کی سماجی ، ثقافتی ، اور ماحولیاتی الجھنوں میں الجھ کر رہ گیا۔ مگر راز صاحب نے اپنا ادبی سفر نہایت ہی لگن اور محنت سے جاری رکھا۔ جس کے سبب رفیق رازؔ کو ادبی اور عوامی سطح پر کافی مقبولیت حاصل

ہوئی۔ راقم راز صاحب کے ادبی سفر کے ابتدا اور ارتقائی عملِ مسلسل اور مقبولیت

سے پوری طرح سے واقف ہونے کے سبب ان کے ادبی مقام اور مرتبے پر چند

سطور سپرد قلم کر کے حق ادائیگی کرنے کی سعی کرتا ہے۔ اسی پس منظر میں راقم اپنی

طرف سے راز صاحب کے ادبی سفر اور شخصیت پر مختصراً کچھ عرض کرنے کی مخلصانہ

کوشش کرتا ہے۔

رفیق رازؔ اردو اور کشمیری زبان و ادب کے معتبر شاعر، ادیب، نقاد، محقق اور

صاحب اسلوب قلم کار کی حیثیت میں ایک مثالی مقام حاصل کرنے میں کامیاب

ہو چکے ہیں۔ ان کے منفرد طرزِ فکر، اظہار خیال کی حسن کاری، تخلیقی تجربات و

تصوارت کی بازیابی، معنویت کی تہہ داری، الفاظ کی تازگی اور توانائی نے انہیں معتبر

تخلیق کار بنا دیا ہے۔

جب ان کا پہلا کشمیری مجموعہ کلام "نے چھےٚ نالان" منظر عام پر آیا تو اس وقت

ادبی حلقوں میں ایک ہلچل مچ گئی۔ انہوں نے اپنی غزلوں میں وہ داخلی تجربے پیش

کئے جو اسوقت تک تخلیقی شعر و ادب میں بہت کم نظر آئے تھے۔

اس کے بعد ان کا اردو زبان کا مجموعہ کلام "انہار" منظر عام پر آیا تو اس میں

بھی رفیق راز کا جدید ترین لسانی برتاو، معنوی پہلوداری، فنی اور جمالیاتی حسن کاری

دیکھ کر ادبی حلقوں میں انہیں کافی پزیرائی ملی۔

رفیق راز صاحب اپنے وسیع اور عمیق مطالعے کی بدولت تحقیقی و تنقیدی میدان

کے شہسوار بھی ہیں۔ وہ ایک ایسے ماہر عروض ہیں جنہوں نے کشمیری زبان کے

حوالے سے عروضی مسائل پر ایک مبسوط کتاب لکھی جو یہاں کے ادبی حلقوں میں

ابھی تک زیرِ بحث ہے۔ رفیق راز نے یہاں کے کہنہ مشق شعراء حضرات کی

منظومات کا جائیزہ عروض کی روشنی میں لیکر ان کی عروض ناشناسی کو طشت از بام کیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ انہوں نے نام نہاد اساتذہ شعراء کی غزلوں کا جائیزہ لے کر انکی تخلیقی اور فنی حقیقت سے بھی پردہ اٹھایا۔

رفیق راز اردو دنیا کے جن معیاری اور معتبر رسالوں اور صفِ اول کے جریدوں میں چھپتے ہیں ان میں وہ اپنے معاصرین میں بالکل منفرد اور علاحدہ دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی تخلیقات میں جو فکر، تجربے اور احساس کے اظہار کی انفرادیت ہے وہی نئی شاعری کی پہچان اور پرکھ ہے۔

رفیق راز کی شاعری میں سادگی، حسن و تاثیر اور فکری ہنرمندی کی جو جھلک ملتی ہے اس سے انکی امتیازی شان ظاہر ہوتی ہے اور اسی سے اُن کی انفرادیت بھی قائم ہوتی ہے۔

راز صاحب کا دوسرا کشمیری مجموعہ کلام "دستاویز" کے نام سے سامنے آچکا ہے۔ وہ بھی تہداری اور معنی آفرینی کا خزینہ ہے۔ اس اعتبار سے یہ شعری مجموعہ نئی غزل کا نیا تہذیبی اور اظہاری منظرنامہ پیش کرتا ہے۔

اگرچہ رفیق راز کے جذبات اور خیالات سادہ اور اسلوب پیچیدہ ہے پھر بھی وہ اپنی تخلیقات میں دل کی باتیں پُر اثر اور اچھوتے انداز میں پیش کرنے کی ہنرمندی سے واقف ہیں۔ ان کی شاعری میں ایک پُرکشش پیچیدگی پڑھنے والے کو بار بار پڑھنے پر اکساتی ہے۔ اور جب شعر کی معنوی سطحیں کھلنے لگتی ہیں تو پڑھنے والا عجیب لطف سے دوچار ہوتا ہے۔

رفیق راز کے کلام میں جو پختہ لسانی شعور اور استعارہ سازی کا منفرد سلیقہ ملتا ہے اس سے قاری روحانی اور وجدانی سرشاری کی کیفیت میں مبتلا ہوتا ہے۔

آخر پر مختصراً یہی عرض کرتا ہوں رفیق راز موجودہ دور کے وہ خوش بخت شاعر اور ادیب ہیں جنہیں ادبی حلقوں میں متعارف ہوتے ہی ایک نمائیندہ اور معتبر قلم کار کی حیثیت میں مقبولیت اور پذیرائی نصیب ہوئی جو سبھوں کے حصے میں نہیں آتی ہے۔ میں بارگاہ رب الکریم میں دعا کرتا ہوں کہ رفیق راز کو عمر خضر عطا کرے تا کہ ان کی ادبی اور قلمی کاوشوں سے علم وادب کا دامن وسیع تر ہو جائے۔ آمین۔

......☆☆☆......

از بشیر اطہر

رفیق رازؔ: ایک دوست ایک شاعر

رفیق رازؔ سے اگرچہ میری ملاقات پہلے ہو چکی تھی لیکن اصل میں ان کے ساتھ دوستی کی بنیاد ریڈیو کشمیر کے پروگرام 'پراگاش' کی بدولت پڑی۔ اس پروگرام کو ہم دونوں نے شروع کیا۔ میں سکرپٹ رائٹر تھا اور وہ بحیثیت پروڈیوسر بک (Book) ہوئے تھے۔ شاید انہیں میری صاف گوئی اور قدرے مزاج میں کچھ حقیقت پسندی اور کچھ تندی پسند آئی۔ مجھے واقعی ان کی علمی بصیرت، گفتگو میں مزاج کا اچھوتا رنگ اور ملنساری پسند آئی۔ آدمی بہت دلچسپ ہیں۔ حقیقت پسند ہیں۔ زیادہ لوگوں سے گُل مل نہیں سکتے۔ دوستوں کو بنانے اور انہیں دھتکارنے میں پل بھر بھی نہیں لگتا۔ کبھی شعلہ تو کبھی شبنم۔ پسند اور ناپسند کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ تجسس اس حد تک کہ کبھی کبھی اُس پر شک کا لفظ صادر آتا ہے۔ ہر ایک واقعہ کو صرف اپنی عینک سے دیکھتے ہیں۔ شاید یہ بات ان کے گھنے چنے دوستوں کو بھی گوارا نہیں۔ مزاج تند، زبان کبھی قند تو کبھی ہنزل۔ پل میں تولہ پل میں ماشہ۔ ارادتاً کسی کو تکلیف نہیں پہنچانا چاہتے، لیکن الفاظ میں اتنی دھار کہ کاٹے بغیر نہیں رہ پاتے۔ فیاض اتنے کہ جواب نہیں۔ مجھے یاد آتا ہے جب ہم دونوں کو ریڈیو سے 'پراگاش' کے چیک ملے تو بحیثیت پروڈیوسر انہیں کوئی زیادہ رقم ملی۔ فوراً کیش کر کے مجھے

چائے کی دعوت دی اور آدھی سے زیادہ رقم خرچ کی۔ حالانکہ بیروزگار تھے، لیکن
بس یہ ضد پکڑ لی کہ انہیں زیادہ رقم ملی، اس لئے بل چکانا ان کا فرض تنہا ہے۔ میری
ان کی دوستی کے بعد ہم ایک دوسرے کے گھر کبھی کبھار آتے رہے۔ میں
......(چمر)......دوری کئی بار گیا اور وہ بٹہ مالو جہاں میں کرایہ پر رہتا تھا آتے
رہیں۔ ان کے قریب رہ کر ایک احساس ہمیشہ دل کو ستاتا رہا کہ ان کی شخصیت
حالانکہ ایک کھاتے پیتے گھر میں پروان چڑھی، پھر بھی کوئی کمی ہے جو انہیں آج
تک کھٹکتی ہے۔ کبھی کبھی اتنے سنجیدہ ہو جاتے ہیں کہ اتنی تیکھی بات کرتے ہیں کہ
قریب سے قریب تر دوست بھی اپنی راہ لیتے ہیں لیکن مجھے ان کی شخصیت کی جتنی
تھوڑی بہت جانکاری ہے، اس کے تناظر میں ہمیشہ ایسی باتوں کو نظر انداز کرتا
ہوں۔ 1976ء اور 1979ء کے آس پاس ان کی کچھ غزلیں اور نظمیں کافی
شہرت حاصل کر چکی تھیں۔ ان میں چرار شریف میں لکھی ان کی نظم بھی شامل ہے،
جو ایک شکوہ ہے، التجاء ہے، منقبت ہے اور دعا ہے۔ کشمیری غزل 'زُون دِمہِ نے
بلایہ' بھی اس وقت کے آس پاس مشہور ہوئی۔ 1979ء میں......فلمز ڈویژن ممبئ
میں بحیثیت کشمیری کمنٹری سپیکر تعینات ہوا تو کچھ دنوں کے بعد ان کی ایک چٹھی آئی
جس میں ان کی فرسٹریشن اور روزگار نہ ملنے کی وجہ سے زندگی کی نا امیدیاں چھائی
تھیں۔ چٹھی میں لکھا تھا کہ مجبوراً اب کلکتہ پھیری کرنے جا رہا ہوں۔ 1982ء میں
جب میں I.I.S میں سلیکٹ ہوا تو یہ خوش خبری آئی کہ راز صاحب ریڈیو میں
Pex بن گئے ہیں۔ اس کے بعد میں واپس سرینگر آیا اور ملاقاتوں کا سلسلہ پھر
شروع ہوا اور ہم دونوں کی دوستی بھی ابھی تک Intact ہے، حالانکہ راز صاحب
نے حتی المقدور کوشش کی............؟ لیکن

جس کی خاموشی پہ دنیا کر رہی ہے تبصرہ
اپنے اندر گنبدوں جیسی صدا رکھتا ہے وہ

اب ذرا سی بات ان کی شاعری کی۔ ورنہ میری بات ادھوری رہے گی۔ رفیق راز اردو اور کشمیری، دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ وہ ایک منفرد لہجے کے شاعر ہیں۔ ان کا شعری کینواس کافی وسیع ہے۔ وہ جہاں ذات کے اندر اور باہر کی تلاش و تجسس میں مصروف دکھائی دیتے ہیں، وہیں وہ اپنے اردگرد سماجی اور سیاسی اُتھل پُتھل سے بھی بے نیاز نہیں ہیں۔ وہ ہر تغیر و تبدیلی کو محسوس کرتے ہیں اور ہر اُس چیز پر آنسو بہاتے ہیں جو ان کی حقیقی دنیا میں طغیانی لاتی ہے۔ ان کی زبان ان کے جذبات کا ساتھ دیتی ہے۔ حالانکہ کئی بات یہ دقیق اور بسا اوقات مبہم ہونے کا تصور دیتی ہے۔ نئی تراکیب، علامتیں اور استفادے تراشنا رفیق راز کی شاعری کا سب سے اہم پہلو ہے۔ ان کا جداگانہ اسلوب دلچسپ اور نئے موضوعات کی تلاش انہیں جدید کشمیری اور اردو شاعروں میں ایک الگ مقام عطا کرتے ہیں۔

کشمیری شاعری پر مبنی پہلے ہی مجموعے ''نے چھے نالاں'' پر انہیں ساہتیہ اکادمی ایوارڈ کا ملنا ان کی شاعری کے معیار کا غماز ہے۔ اردو میں "انہار" اور پھر کشمیری شاعری کا ایک اور مجموعہ دستاویز رفیق راز کی شعری شناخت کے شخصیت کے مظہر ہیں۔ فطرتاً ذہین، شاعری کے رموز اور اسرار سے مکمل واقفیت، علم عروض پر استادانہ دسترس، رگ رگ میں رچا بسا کشمیری آہنگ، نئے الفاظ کے استعمال کا تجسس، اردو فارسی اور عربی زبانوں کے ادب سے شناسائی، تخیُل کی دولت سے مالا مال رفیق راز ایک ایسے شاعر ہیں جن کے کلام میں جدت کے ساتھ ساتھ روایات اور تصوف کا امتزاج انہیں نہ صرف منفرد بلکہ ایک مکمل سخن ور بنا دیتا ہے۔ شعر کہنے کے ساتھ

ساتھ وہ ایک پُر مغز اور نکتہ سنج نقاد بھی ہیں جن کے مقالات قابل توجہ اور قابل ذکر مواد فراہم کرتے ہیں۔

.................اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

/☆☆☆/

ڈاکٹر شفق سوپوری

رفیق رازؔ......خاکہ

کسی بھی حیثیت میں رفیق رازؔ کے نزدیک رہنا اندھیرے میں تیز دھار والے بلیڈ سے ناخن کترنے کے برابر ہے۔ ایک بار ایسا کرنے کے بعد آپ کے پاس زخمی ہاتھوں سے حکایات خونچکاں لکھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہے گا۔ ہمارا ذاتی تجربہ ہے کہ رفیق رازؔ کی طرف یکطرفہ راستہ جاتا ہے۔ یعنی آپ ان کی قرابت کے دشت پر خار میں بھٹک تو سکتے ہیں۔ مگر لوٹ کر واپس نہیں آسکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رفیق رازؔ اپنی ذات کے جس تنگ و تاریک اور پر پیچ بل میں رہتے ہیں اس کا نظارہ صرف انڈاسکوپی سے ہی کیا جاسکتا ہے۔ ایسا نہیں کہ وہ کبھی باہر نہیں آتے۔ آپ انہیں دوستوں کے ساتھ بے تکلف بھی دیکھین گے مگر آپ کو وہ کانٹے نظر نہیں آئیں گے جو خار پشت کے بدن پر ہوتے ہیں۔ جنہیں وہ مدافعت اور مزاحمت کے وقت کھڑا کر دیتا ہے۔

رفیق رازؔ سے ہماری پہلی ملاقات ریڈیو کشمیر کے ایک (دھواں دار) کمرے میں ہوئی۔ کچھ کرسی بردار ماتحت سگریٹ پی چکے تھے۔ کچھ پی رہے تھے۔ کچھ پینے کیلئے ماچس تول رہے تھے۔ اور کچھ گوشہ نشین Passive Smoking کر رہے تھے۔ مطلع دود آلودہ تھا آثار کہہ رہے تھے کہ رفیق رازؔ بھی ابھی بادل کی طرح

کسی پر برس چکے تھے۔ ہر طرف آندھی کے بعد کی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ہم سے وجہ نزول پوچھی گئی۔ ہمارا نام سنتے ہی کرسی چھوڑ دی اور بڑے تپاک سے بغلگیر ہوئے۔ ماحول فوراً بدل گیا۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ ملاقات کا سلسلہ بڑھتا گیا تو ہمیں محسوس ہوا کہ اس قدر سہل ممتنع کی صورت میں پیچیدہ انسان کے ساتھ نباہ کرنا بڑا مشکل ہے۔ مگر دل کسی طرح سے ترک تعلق پر آمادہ نہ ہوا۔ سب سے پریشان کن بات جس سے میں خائف تھا وہ یہ تھی کہ ان دنوں رفیق رازؔ پر وہم کے دورے پڑتے تھے۔ خوامخواہ ہر کسی پر شک کرتے تھے۔ ایک دن ہم سے کہا "مجھ پر نظر رکھی جا رہی ہے، میرا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ میری باتوں کو ٹیپ کیا جا رہا ہے"۔ چونکہ ان دنوں وادی میں شورش عروج پر تھی۔ لہٰذا کچھ دن کیلئے ہم ان کی باتوں پر سنجیدگی سے غور کرتے رہے۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ موصوف خوف اور شک کے عارضے میں مبتلا ہیں۔ انہیں اس وقت ایک ایسے ہمدرد کی ضرورت تھی جو ان کی باتیں سن کر انہیں یقین دلاتا کہ ان کا ہر اندیشہ درست ہے۔ ہم نے بڑی مشکل سے خود کو اس امر کیلئے آمادہ کر لیا۔ اس میں ایک خود غرضی یہ تھی کہ اگر ہم ایسے حالات میں ترک تعلق کرتے تو ان کے دل میں ہمارے خلاف بھی بدگمانی پیدا ہو سکتی تھی۔

رفیق رازؔ کے کلام پر "شب خون" الہ آباد کے کالم " کہتی ہے خلق خدا" میں ہمارے تعریفی کلمات چھپتے رہتے تھے۔ مظہر امام کو مدت تک یہ گمان تھا کہ رفیق رازؔ شفق سوپوری کے نام سے خود اپنی تعریفیں چھپواتے ہیں۔ گویا مظہر امام کی دانست میں خاکسار کا کوئی وجود نہیں تھا۔ ایک روز انہوں نے قدوس جاوید صاحب سے اس بات کا تذکرہ کیا۔ مظہر امام نے خود ہم سے کہا کہ قدوس صاحب سے یہ جان کر کہ شفق سوپوری کا وجود حقیقی ہے مجازی نہیں ہمیں حیرت اور مسرت ہوئی۔ مظہر امام

کے کواٹر میں ہماری ملاقات شمس الرحمٰن فاروقی، شہریار اور کئی اور اعلیٰ ادبی شخصیات سے ہوئی۔ یہیں ہم سے ایک روز مظہر امام نے کہا کہ رفیق رازؔ ہم سے ملنے کی خواہش رکھتے ہیں۔

دام ہم رنگِ زمیں بود گرفتار شدم

گوتم بدھ زندگی کی حقیقتوں کو جاننے کے بعد تارکِ دنیا ہو گئے۔ نروان کی تلاش میں مدتوں ادھر اُدھر بھٹکا کئے۔ تاوقتیکہ گیا کے مقام پر برگد کے نیچھے انہیں گوہر مقصود حاصل ہوا۔ مہاتما کو نروان اس وقت حاصل ہوا جب وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ چکے تھے۔ ان کے بدن میں ایک موہوم سی سانس آتی جاتی تھی۔ رفیق رازؔ کے دل دردنشیں کو حیات اور کائینات کی حقیقتوں کا عرفان وجدانی سے ہوا۔ نروان کیلئے ان میں صحرانوردی کی نہ طاقت ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے کیونکہ یہ ضرورت وہ اپنی شاعری کے ذریعہ سے پوری کرتے ہیں۔ البتہ زندگی کی حقیقتوں سے خوف زدہ ہو کر انہوں نے اپنی ذات کے گھنے گھنگھور سایوں میں پناہ لی ہے۔ جہاں کبھی کبھی صرف ان کی فکر کی بجلیاں ایک لحظے کیلئے چمکتی ہیں۔ انہوں نے اپنی نفسیاتی ضرورتوں کیلئے اپنے خیالوں میں ایک ایسا مکان بلکہ پورا شہر آباد کیا ہے جہاں سب کچھ خیرت سے ہے۔ وہاں نہ کسی کو کوڑھ ہے۔ نہ کوئی عمر رسیدہ، ضعیف اور کمزور ہے اور نہ کسی کو موت آتی ہے۔ سب کچھ لافانی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رفیق رازؔ کے سامنے جب زندگی کی کوئی ٹھوس حقیقت مسئلے کا روپ اختیار کرتی ہے تو وہ لوگوں کو اپنی تلملاہٹ اور غصے کا نشانہ بناتے ہیں یا پھر چپکے سے اپنی ذات کی دنیا میں واپس چلے جاتے ہیں۔

گلی میں اسکی گیا سو گیا نہ بولا پھر

رفیق رازؔ کی شخصیت کا کوئی حصہ محرومی کے گہرے احساس کے نیچے دبا ہوا ہے۔ وہ ترقی کے سب زینے عبور کر کے اعلیٰ عہدہ پر فائز ہوئے۔ بطورِ سخنور پوری اردو دنیا میں معروف ہیں۔ گھر میں سلیقہ مند بیوی، سعادت منداولادیں ہیں۔ پھر بھی اس محرومی کے سائے اور وسیع اور گہرے ہوتے جارہے ہیں۔ یہ ایک ایسی محرومی ہے جس کا تدارک یا تو خوبصورت اور جوان حسینوں کی رفاقت سے ہوتا ہے یا پھر ذکرالٰہی سے۔ رفیق رازؔ کی شخصیت کا ایک پہلو ان کی بے نیازی اور فقر ہے دوسرے پہلو کی وضاحت فیض احمد فیض کے اس شعر سے بہتر ہوسکتی ہے۔

تو جل مل جائے تو تقدیر نگوں ہو جائے

یوں نہ تھا میں نے فقط چاہا کہ یوں ہو جائے

اپنی زندگی کو یوں سے یوں کرنے کی جستجو میں رفیق رازؔ کی شخصیت دگرگوں ہوگئی ہے۔

/☆☆☆/

شمس الرحمٰن فاروقی

جدید غزل کی معتبر آواز ......رفیق رآز

رفیق رآز کی غزل گوئی کا سب سے نمایاں پہلو اس کا فکری آہنگ ہے۔ غزل کے بارے میں مدت تک یہ غلط فہمی بعض حلقوں میں رہی کہ اسے سادہ اور میٹھا اسلوب ہی درکار ہے۔ بعض لوگوں نے تو غزل میں استعارے کو بھی ناپسند کیا ہے۔ بعض لوگوں ے غزل سے تقاضا کیا کہ اس میں صرف آپ بیتی اور ذاتی داخلی وارداتوں پر مبنی مضامین ہوں۔ رفیق رآز اُن شعرامیں نمایاں ہیں جنہوں نے غزل کے اس روایتی پیکر کو توڑنے اور غزل کی آواز میں توانائی ڈالنے کی کامیاب کوششیں کی ہیں۔ رفیق رآز کی عمر ابھی زیادہ نہیں ہے لیکن ان کے لہجے اور افکار دونوں میں تمکین اور پختگی کے آثار نمایاں ہیں۔ گردوپیش کی زندگی اور شاعر کے احساس اور ذات کا اس سے محاربہ رفیق رآز کی غزل کا خاص موضوع ہے۔ لیکن وہ گردوپیش کی زندگی کو سیاہ چادر کی طرح اپنے اوپر اوڑھتے نہیں۔ اور نہ وہ اپنے محاربے کو جھنڈے کی طرح اٹھائے پھرتے ہیں۔ انہیں اپنے محسوسات اور مشاہدات کو شعر کے قالب میں ڈھالنے میں کوئی مشکل اس لئے نہیں ہوتی کہ وہ شعر کے تقاضوں کو باقی تمام چیزوں پر مقدم جانتے ہیں۔ ان کے شعر کا آہنگ انفعالیت اور بے چارگی کے احساس سے بالکل عاری ہے۔ زبان کے ساتھ بھی ان

کا رویہ غیر رسمی اور تخلیقی ہے۔

/☆☆☆/

پروفیسر حامدی کاشمیری

رفیق راز کی غزل......صاعقہ وشعلہ وسیماب

پروفیسر ایم ، ایس وانٹ سابق صدر شعبہ انگریزی ، کشمیر یونیورسٹی نے تیس پنتیس سال قبل ایک ادبی مباحثہ بعنوان "معاصر شاعری کی ساخت ایک مرتی ہوئی تکنیک ہے" کا اہتمام کیا۔ جو یونیورسٹی میگزین 1970 میں چھپ چکا ہے۔ ان کے وزنی دلایل و براہین کے باوجود میں یہ سمجھنے سے قاصر رہا کہ شعری زبان کیوں مرگ آشنا ہے۔ میں اردو کی معاصر شاعری کا مطالعہ کرتا رہا اور سوچتا رہا کہ میر انیس ، میر حسن ، غالب اور اقبال کی قد وقامت کا کوئی شاعر سامنے کیوں نہیں آتا ، میں اس نتیجے پر پہنچا کہ واقعتاً معاصر شاعری کا گراف نیچے کی طرف آرہا ہے۔ اس کا بنیادی سبب اس کا سال خوردہ اور روایت زدہ لسانی نظام ہے، تاہم یہ ضرور ہے کہ نئی نسل کے معدودے چند شعراء شعری عمل میں لسانی برتاؤ کی اہمیت سے واقف ہیں۔ لیکن عظمت رسی ان کے لئے تعبیر نا آشنا خواب ہے۔

رفیق راز کشمیر سے طلوع ہونے والے ایک اہم اور زبان شناس شاعر ہیں۔ وہ شروع سے ہی انبوہ آوارگاں میں شامل نہیں ہیں۔ وہ انفرادی حیثیت کو منوانے کی طرف سنجیدگی سے متوجہ رہے، اور بقولِ پروفیسر وانٹ صاحب مرگ آلود معاصرین سے مجتنب ہونے اور اپنے ہونے پر اصرار کرتے رہے۔ وہ اوروں کی

دیکھا دیکھی، یا تفنن طبع کیلئے یا کسب زر کیلئے شعر نہیں کہتے۔ یہ کام ان کے بیشتر معاصرین زور و شور سے انجام دیتے ہیں۔ شاعری ان کیلئے اپنے داخلی وجود کی نیرنگیوں اور اسرار سے رابطہ قایم کرنے کا عمل ہے۔ یہ یافت اور نا یافت کا عمل ہے۔ یہ ان کے یہاں جبلی اور لاشعوری محرکات سے مربوط ہے۔ یہ ان کے باطن کی گہرائیوں سے پھوٹنے والی روشنیوں اور تاریکیوں کے انضمام و افتراق کی طلسمی منظرنامہ ہے۔ جو دعوت نگاہِ دیتا ہے۔

رفیق راز تخلیقی سفر میں ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ لفظ کی حرمت، تلازمیت اور قوت ہے جو ان کے سفر کو منزل آشنا کر سکتی ہے۔ یہ آگہی روایتی اور گھسے پٹے پیکر کی قلعی کھولتی ہے۔

اس کے باوجود روایتی اور مستعملہ الفاظ ان کے اشعار میں در آتے ہیں۔ "سپہر کبود"، "چشم حسود" "سرحد ادراک"، "جلوۂ صد رنگ"، " آگ کا دریا" " قلزم خوں" وغیرہ اسکی مثالیں ہیں۔ ان کے یہاں استعارہ کاری کا رجحان اعتدال سے تجاوز کر کے شعری تجربے کو علامتی مجوبیت سے دور لے جاتا ہے۔ "خوف کی آندھی" یا" روح کا دریا" اسکی مثالیں ہیں۔ بعض اشعار میں لفظوں کی منقلب صورت کے ہوتے ہوئے بھی بات آگے نہیں بڑھتی۔ اگر اس نوع کے الفاظ کا ان کے اشعار میں تداخل اپنی حدوں کو پار کر جاتا یا مستقل یا غالب ہوتا تو انکے شعری نمونے داخلِ دفتر ہو گئے ہوتے۔ یہی وہ المناک صورت حال ہے جسکی گرفت میں بیشتر شعراء آجاتے ہیں۔ وہ لسانی اعتبار سے سہل انگاری، سطح بینی، موضوعیت اور معنی و مطلب کے گرویدہ رہے ہیں۔ ان کے برعکس رفیق راز لفظ شناسی اور لفظ سازی سے کام لے کر زبان کی مقلدانہ روش سے انحراف کرتے

ہیں۔ رفیق راز کی کامیابی کا راز اس بات میں مضمر ہے کہ وہ تضاد، افتراق، الہام، طنز، قول محال، اور ترکیب سازی میں غیر معمولی ہنر مندی کا ثبوت دیتے ہیں، "شہر حادثات"، "جلوہ گہہ ممکنات"، "معرکہ خواب وفسوں"، "عرصہ سیاہ"، "قافلہ نور" "آتش حیرت"، "شہر نامراد" اور "شعلہ خواب" اسکی مثالیں ہیں۔ ہمارے عہد میں جو چیز شاعری کو ناشاعری میں بدل دیتی ہے، وہ اس کی عاید کردہ نظریاتی ادعائیت، حقیقت نگاری، عصری، شخصی یا اجتماعی مقصدیت کی موجودگی اور اس کی آسانی سے نشان زد کرنے کا تنقیدی عمل ہے۔ شاذ و نادر ہی ایسا کوئی طریقِ نقد سامنے آتا ہے جو شعر کی فرضی صورت حال کو باہر کی حقیقت سے مفرق کرے۔ اگر متن میں لسانی کارگزاری کے مختلف اور منفرد ہونے اور خارجی حقیقت سے اسکے انقطاع پر زور نہ دیا جائے تو اسکا وجود وعدم ایک ہو جاتا ہے۔ نقادوں کا میر کے غمِ دوراں، غالب کے 1857 کے سانحے، اقبال کے تصور خودی، ناصر کاظمی کی ہجرت اور فیض کی رومانیت، اور انقلاب پسندی کو حاصلِ نقد قرار دینا ان شعرا کی تخلیقی جینیس پر سوالیہ نشان لگانے کا بے فیض عمل ہے۔

راز کی شاعری میں ایک ایسی متغیر جلوہ گری ملتی ہے۔ جس میں نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم ہے۔ یہ لمحہ بہ لمحہ صاعقہ وشعلہ وسیماب کی دنیا ہے۔ جو قاری کی حسیاتی اور جمالیاتی تشفی کا باعث بنتی ہے۔ وہ حیرت زا، نادر اور نظر تاب وقوعوں سے گزرتا ہے۔ اور ذہنی اور جذباتی طور پر برومند ہوتا ہے۔

کچھ اور ہی نظر آتا ہے کاروبار جہاں　　　نگاہ شوق اگر ہو شریک بینائی

(اقبال)

چند اشعار یہ ہے۔

آ گے تھیں فقط خستہ فصیلیں ہی فصیلیں
تحریر کہیں کوئی عبارت بھی نہیں تھی

دل میں بہت ڈر بھی تھا نزول بلا کا
اور میرے سر پہ آسماں بھی نہیں تھا

کہنے آئے تھے مگر کچھ نہ کہیں گے اب تو
صرف الفاظ ہواؤں میں اڑیں گے اب تو

شعر ۱ میں ایک متجسس متکلم سامنے آتا ہے۔ جو ایک ایسے غیر آباد (Deserted) شہر میں وارد ہوا ہے، جسکی پوری آبادی کو رفتار وقت، کسی بڑے حادثہ، تاریخی حیرت، کسی حملے یا ناگہانی بلا نے یا تو موت بہ کنار کیا ہے، یا ترک سکونت پر مجبور کیا ہے۔ اور اب اس غیر آباد شہر میں صرف فصیلیں ہی فصیلیں ہیں۔ جس سمت کو جائے ادھر فصیل کھڑی ہے۔ نو وارد یہ جاننے کی خواہش رکھتا ہے کہ آخر اس شہر پر کیا گزری ہے۔ اس کے بارے میں کسی پتھر پر کندہ کوئی تحریر بھی نہیں ہے جس سے شہر گمشدہ کا کوئی سراغ ہی ملتا۔ متجسس کردار اس شہر میں قدم رکھتا ہے۔ تو اسے بے نام و نمود فصیلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ شعر میں ایک حسیاتی اور مہم پسند وقوعہ ابھرتا ہے۔ جو معنوی امکانات سے معمور ہے۔

شعر ۲ کا کردار ایک پُر خطر راستے پر گامزن ہے۔ اس کے دل میں نزول بلا کا ڈر ہے۔ یہ ڈر اتنا شدید ہے کہ وہ تحفظ ذات کیلئے آسماں کی جانب دیکھتا ہے۔ مگر وہاں آسماں ہی نہیں۔ ایک ہلاکت آفریں وقوعے سے متصادم ہو کے کسی کی

جانب سے کوئی بچاؤ کی صورت نہ دیکھ کر اسے بچاؤ کی ایک ہی صورت نظر آتی ہے۔ وہ آسماں ہے۔ اور آسماں بھی وہ، جو انسان کا دشمن متصور ہوتا ہے۔ لیکن یہاں بچاؤ کی یہ صورت بھی موجود نہیں۔

شعر۳ میں لفظ کی عدم معنویت کا تجربہ ابھرتا ہے، لفظ کثرت استعمال سے اپنی معنویت کھو چکا ہے۔ اور وقت ضرورت تخلیقی تقاضوں کا ساتھ نہیں دیتا۔ شعر میں کردار اطلاع دیتا ہے کہ کسی طائفے پر جو افتاد پڑی ہے وہ کہنے آئے تھے کہ ایک اجتماعی حادثہ ہوا ہے۔ جو وہ دیر تک برداشت کرتے رہے مگر اب وہ زبان پر لانا چاہتے تھے مگر جب وہ اظہار کی سعی کرنا چاہتے ہیں وہ کسی نامعلوم وجہ سے کچھ کہہ نہیں سکتے۔ اور ترسیل کار الفاظ تیز ہوا میں "اڑ جائیں گے"، لفظ کی عدم معنویت کا وہی نکتہ ہے، جو پروفیسر وانٹ نے کہا تھا۔

......☆☆☆......

اتارتا میں تمہیں کینوس پہ کیسے بھلا
تری مثال خیال اور خواب میں بھی نہ تھی

پروفیسر قدوس جاوید

رفیق رازؔ کی غزل ...... ایک طوفانِ بے صدا

شاعری محض موضوع ہے نہ صرف ہیئت بلکہ تحریر کا کون سا لسانی، ثقافتی، فنی یا جمالیاتی پہلو تحریر کو شعر بنا دے گا کچھ کہا نہیں جاسکتا کیونکہ شاعری آج بھی اگر میکانکی نہیں ہے تو شگاف در شگاف دائرہ در دائرہ ذوق اور وجدان، کیفیت اور احساس کے مرحلوں سے گزر کر سامنے آنے والے ذات،، زندگی اور زمانہ کے جمالیاتی تجربے ہی کا دوسرا نام ہے۔ چنانچہ رفیق رازؔ ہو یا کوئی اور شاعر اسکی شاعری کے شعری اسرار کے طرفوں کو کھولنے اور اسکی شاعری کے اصل "جوہر" اور اسکے معیار تک پہنچنے کیلیئے اسکی ثقافت اور ثقافت کی زائیدہ شعری جمالیات ہی معاون ثابت ہوتی ہے۔ موضوع یا ہیت نہیں۔ یہاں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ زندہ زبانیں ہوں یا ثقافت یا شعریات۔ اندر سے بند اور جامد نہیں ہوتیں۔ قدیم و جدید کی آویزش و پیکار سے ان میں جذب وانجذاب، تغیر وتبدل اور تعمیر وارتقا کا عمل بھی مسلسل جاری رہتا ہے۔ لیکن چونکہ زندگی، معاشرہ، ثقافت اور علوم وفنون سے متعلق تازہ ترین نظریات ورجحانات کی اثر انگیزی کے باوجود کسی بھی زبان میں نئے نظریات واقدار اور تقاضے بھی اس زبان کے شعروادب کے اندر ہی وجود میں آتے ہیں۔ اس لئے کوئی بھی شاعر خواہ کیسے بھی اجتہادی، لسانی اور شعری رویئے

اور حربے کیوں نہ بروئے کار لائے اسکی شاعری سابقہ شعری سرمایہ کے لسانی اور شعری نظام سے بہرحال ایک جدلیاتی رشتہ ضرور رکھتی ہے۔ چنانچہ "انہار" کے شاعر رفیق رازؔ کی شاعری اپنے توسیعی اور اجتہادی کردار کے ساتھ اردو غزل کے لسانی اور شعری نظام سے رشتہ تو ضرور رکھتی ہے لیکن یہ رشتہ ایک طرف جتنا توثیقی Affirmative ہے وہیں دوسری طرف تنکیری Oppositional بھی ہے۔ ہاں خاص بات یہ ہے کہ دونوں حالتوں میں رفیق رازؔ کے یہاں کشمیری اور اردو کی شعری جمالیات کے گہرے شعور کے سبب افتراق و اجتہاد کے زرد، سیاہ اور سبز شعری رویوں کو بروئے کار لانے کی تڑپ رفیق رازؔ کی شناخت قائم کرتی نظر آتی ہے۔

یہ رفیق رازؔ کا منفرد شعری رویہ ہی ہے جس کے سبب رفیق رازؔ کی شاعری ہر طرح کے طے شدہ معنیاتی و نظریاتی و حدانیت اور ادعائیت (Dogmatism) کی دیوار کو توڑ کر اس کھلی فضا تک جا پہنچتی ہے جہاں قرات کے تفاعل، متن کے دیدہ و نادیدہ حوالوں (References) اور انسلاکات اور قاری کی تعبیری صلاحیتوں سے ہم آہنگ ہو کر تخلیقی تجربہ کیفیت یا احساس کے فطری اور آزاد لعل و گہر دونوں ہاتھوں سے لٹاتی رہتی ہے۔ اب یہ قاری کی صلاحیت وقبولیت (Power of reception) پر منحصر کرتا ہے کہ وہ رفیق رازؔ کی شاعری سے معنی و مفہوم یا کیفیت و تاثر کی کتنی دولت اپنے دامن میں سمیٹ پاتا ہے۔ لیکن ایک بات جو واضح طور پر نظر آتی ہے یہ ہے کہ رفیق رازؔ کی اردو غزلوں کے مجموعے "انہار" کی شاعری جن شعری تجربوں کی روشنی بکھیرتی ہے اسکا پہلا نمایاں پہلو یہ ہے کہ رفیق رازؔ مضمون آفرینی کا نہیں احساس آفرینی کا شاعر ہے

رفیق رآز کی غزلوں میں حسّی تجربوں کا ایک سیلِ رواں نادر و نایاب تراکیب کی چادر اوڑھے خاموشی کے ساتھ سرحدِ ادراک کی جانب گامزن نظر آتا ہے۔

سرحد ادراک تک ہے خامشی چھائی ہوئی

تجربوں کا اک عجب سیل رواں ہے اور میں

رفیق رآز کا تخلیقی اور اظہاری رویہ بھی ہم عصر غزل گو شعرا سے قدرے مختلف ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے رفیق رآز شعر نہیں کہتے اغراق کے عالم میں درود و اوراد کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ اسی لئے رفیق رآز کی غزلوں کے درمیان سے ٹھوس اور طے شدہ، معلوم اور شور انگیز مضامین اور معانی نہیں بلکہ کہیں سیال اور کہیں دھواں دھواں کیفیات واحساسات حدِ امکان تک پھیلے، اور بلند ہوتے نظر آتے ہیں۔ قاری ان کیفیات واحساسات کے ساتھ کبھی تجسس کبھی تشکیک، کہیں مرحلۂ شوق اور کہیں مقامِ حیرت سے گزرتا ہوا اس سرحدِ لامکاں تک جا پہنچتا ہے جو اصلاً حریمِ ذات ہے۔ طلسم خانہ ذات وصفات ہے۔

حلقۂ ہست و بود میں کیا ہے

دیدۂ تر کی وحشتوں میں اُتر

پھیلی ہوئی ہے چار طرف گردِ مہر و ماہ

روشن ہے میری آتشِ حیرت سے جلوہ گاہ

مظہر امکاں میں جلوۂ حیرت بھی ہے
دودِ خموشی میں ہے شعلہء اسرار بھی

آگ کا دریا بھی ہے عقل بھی ہے عشق بھی
میں ہی تذبذب میں ہوں میں ہی ہوں تیار بھی

واقعہ یہ ہے کہ عقل، عشق، اسرار، تذبذب، حیرت ہست و بود، مظہرِ امکان اور جلوہ گاہ جیسے الفاظ و تراکیب، صوفیانہ شاعری میں رسمیات (Conventions) کا حکم رکھتے ہیں۔ رفیق رازؔ کی غزلوں میں ایسے سارے الفاظ اور تراکیب علامتی و استعاراتی نظام کے ساتھ اس طرح سامنے آتے ہیں کہ لفظ لفظ صاحب ادراک کے خیالات کی روشن قندیلیں تو نظر آتی ہیں لیکن پھر بھی رفیق رازؔ کی شاعری روایتی معنوں میں بالاعلان صوفیانہ شاعری نہیں بن پاتی۔ ویسے بھی۔۔۔ غیر روایتی لسانی و شعری برتاؤ کے سبب رفیق رازؔ کے یہاں الفاظ و تراکیب اکہرے اور مانوس مطالب و معانی سے زیادہ غیر مانوس متغیّر اور نادیدہ کیفیات و احساسات کے امکانات فراہم کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں رفیق رازؔ کی شاعری کو صوفیانہ شاعری قرار دینا اسکی شاعری کی بوقلمونیت اور بے کرانی پر حصار بندی کی تلوار چلانے کے مترادف ہوگا۔ ایسا بھی نہیں کہ رفیق رازؔ نے اس طرح کے اشعار بھی محض برائے شعر گفتن کہے ہوں بلکہ یہ رفیق رازؔ کی افتادِ طبع اور فکری سیچ کا نتیجہ ہیں۔ رفیق رازؔ کی غزل کا معشوق دکن یا شمال کا کوئی باشندۂ طرح دار نہیں خودِ عشقِ مجسم اور حسنِ کُل رُبّ العظیم کی ذات ہے اور اسکی کائنات کے

سارے مظاہر تغیرات اور عجائبات اسی معشوقِ حقیقی کی عشوہ طرازیوں کا نتیجہ۔

دن کے محشر میں تو سایہ نور سا ایک صد رنگ نخلِ طلسم صدا
شب کی تاریکیوں میں بھی تو ہر طرف جگمگاتا ہے خاموشیوں کی طرح

رفیق رازؔ کے عاشق صادق ہونے پر کسی کو شبہ نہیں ہونا چاہیے لیکن رفیق رازؔ کے مذہبی نوعیت کے اشعار کو عام معنوں میں صوفیانہ شاعری کے زمرے میں رکھنا دشوار ہے کیونکہ شیخ علی ہجویری، ابن عربی، امام غزالیؔ اور عبدالرحمٰن جامیؔ سے لیکر علامہ اقبالؔ، سعید احمد اکبر آبادیؔ اور انا مریؔ شمل تک سینکڑوں صوفیا اور علماء نے تصوف کی جو تعریفیں بیان کی ہیں، رفیق رازؔ کے اشعار اُن سے بہت زیادہ مطابقت نہیں رکھتے البتہ رفیق رازؔ کے بعض اشعار اسلامی نظریہ جمال کی رو سے "تخلیق الحق" یا "تخلقوا باخلاق اللہ" تقاضوں کو ضرور پورا کرتے ہیں۔

یہ آسماں یہ چاند ستارے یہ آفتاب
آثار ہی تو ہیں ترے نام و نمود کے

تمہارے نور سے لبریز ہیں یہ ارض وسما
میں اعتراف نہ کرلوں تو زیادتی ہوگی

اب بھی کتاب فن میں سسکتی ہے گم رہی
اب بھی گرفت لفظ سے آزاد ہے خدا

دل پہ نقش "یا باقی" اور نگاہ میں روشن
سرِ سورہ الرحمٰن کُل من علیہا فان

دراصل رفیق راز کے فکری و تخلیقی بہاؤ میں ایک فطری پاکیزگی ہے جس کے سبب ان کی غزلوں میں، غزل کی روایت کے برعکس، لذتیت، لایعنیت اور گمراہ کُن جذباتیت سے پاک ایک باوقار شعری فضا ملتی ہے۔ لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ رفیق راز کے شعری تجربے اپنے آس پاس کی زندگی کے نشیب وفراز سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی بھی شاعر کیوں نہ ہو ہزار کوششوں کے باوجود اپنے سماجی و ثقافتی حالات و واقعات کے دائروں سے باہر رہ کر اپنی کیفیات و تجربات کا اظہار کر ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ فنکار کی شعوری اور لاشعوری سرگرمیوں کی جڑیں بہر حال معاشرے اور ثقافت میں ہی پیوست ہوتی ہیں۔ ساختیاتی دانشور جولیا کریسٹوا نے اپنی تصنیف The Desire of Language میں انسانی ذہن کے ان رویوں سے بحث کی ہے جو کسی متن لفظ یا نظام کے معنی و مفہوم کی تشکیل یا ردتشکیل کا سبب ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں جولیا کریسٹوا نے لاشعور کی کارکردگی سے متعلق فرائڈ کے بیان کردہ مرحلوں Displacement اور Condensation کے درمیان ایک تیسرے مرحلے کی نشاندہی کی ہے جسے اس نے Passage کا نام دیا ہے۔ یہ Passage ہی ہر طرح کے مذہبی۔ لسانی، سماجی اور ثقافتی رشتوں اور سرگرمیوں کی آماجگاہ اور محرک ہوتا ہے۔ اور یہی Passage الگ الگ موقعوں پر تخلیقی فنکار کو بھی مذہبی کبھی سماجی اور کبھی ثقافتی سرگرمیوں سے متعلق اپنے تخلیقی رویوں کے اظہار کیلئے آمادہ کرتا ہے۔

اب یہ فنکار کی فنی بصیرت اور جمالیاتی شعور پر منحصر کرتا ہے کہ وہ اپنے رویوں کا اظہار کس معیار سے کرتا ہے۔ رفیق رازؔ کا Socio Cultural Passage بھی کشمیر کے موجودہ منظر نامے کے حوالے سے اول توان سے اس طرح کے عمومی رویوں کا اظہار کرواتا ہے۔

پتے لرز رہے تھے خطرہ تھا آندھیوں کا
گھر ہو رہے تھے خالی موسم تھا ہجرتوں کا

تُجھ پہ کس کا پہرہ تھا اے آبشارِ اہربل
خون سے جس دن کہانی پیاس کی لکھی گئی

لیکن رفیق رازؔ کے اس طرح کے اشعار میں الفاظ راست انداز اور طے شدہ معنوں میں استعمال ہوئے ہیں جس کی وجہ سے ان میں واقعیت پیدا ہوگئی ہے۔ جبکہ غزل بنیادی طور پر بالواسط اظہار کا فن ہے جس میں واقعیت کی گنجائش نہیں البتہ غزل خارجی زندگی کے واقعات کو اشاراتی و استعاراتی پیرائے میں ضرور برت سکتی ہے۔ یوں بھی غزل میں شعریت محض الفاظ کے استعمال سے نہیں بلکہ الفاظ کے تخلیقی لسانی برتاؤ سے پیدا ہوتی ہے چنانچہ رفیق رازؔ کے یہاں بھی خارجی حقائق جب غیر واقعی داخلی واردات و کیفیات کے سانچے میں ڈھل کر نادر تشبیہ و استعارہ اور تراکیب کے ساتھ سامنے آتے ہیں تو ایسے اشعار رفیق رازؔ کی فنی مہارت اور شاعرانہ انفرادیت کی دلیل بن جاتے ہیں۔ مثلاً یہ اشعار دیکھئے۔

لت پت ہیں خاک و خون میں اشجار یا اخی
بے سائیگی کا گرم ہے بازار یا اخی

فصیل شہر کے اندر ہے پیاس کا دریا
فصیل شہر کے باہر سراب رکھا ہے

زہریلی آندھیوں کے عجب ساز بج اُٹھے
گرتے ہوئے مکان بھی نغمہ سرا ہوئے

عجیب لوگ تھے منزل کی بات کرتے تھے
چمکتی آنکھوں میں عکس غبارِ دشت لئے

چمک رہا ہے شب و روز بام و در پہ ہمارے
وہ اک سکوت جو ویران مقبروں کیلئے تھا

اسی لٹی بستی میں اب بھی کچھ نہ کچھ باقی تو ہے
پیڑ کے سائے ہواؤں کے نقوش پا چراغ

رفیق رازؔ کے ایسے اشعار میں موجود سیاسی و سماجی، معاشی و ثقافتی حوالے غزل کے موضوعات ہی نہیں غزل کے لسانی و شعری نظام کو بھی تازگی بخش رہے ہیں۔ صرف دو شعر دیکھئے۔

سبزہ و خوشبو میں اک سیلاب خوں پوشیدہ ہے
شہر کی دہلیز پہ قہر سیہ خوابیدہ ہے

تیر گئی یاس کے موسم میں بھی تو نے
مصحف امکان کا دیباچہ لکھا ہے

انہار میں ایسے اشعار کثرت سے ملتے ہیں جن کے سبب غزل کی رمزیت برجستگی اور معیناتی امکانات کی نئی جہتیں سامنے آتی ہیں۔ رفیق رازؔ اپنے ہم عصر غزل گوشعرا میں غالباً سب سے زیادہ زرخیز اختراعی ذہن رکھتے ہیں۔ اس کا اندازہ لگانے کیلئے وہ اشعار دیکھئے جن میں اسی طرح کی نادر ونایاب تراکیب کا استعمال ہوا ہے۔ مثلاً طوفانِ بے صدا، لالہء حیران، موسم امکاں، آہنگ خامشی، سرحدِ ادراک، سایہء وحشت، ریگ زارِ شب، خوشبوئے خموشی، خاکِ نفی، دشت گمان زرد، دریائے ریگ سبز، فصل وہم وگماں، صد رنگ دوپہر، چراغ دان، جسم اور سرابِ فکر وغیرہ۔

اگر گہرائی سے جائیزہ لیں تو ان تراکیب کو رفیق رازؔ کی بوطیقا کی کلید بھی قرار دے سکتے ہیں۔ کیونکہ رفیق رازؔ الفاظ و تراکیب کو Conventional اور Referential معنی ومفہوم میں روایتی رویوں کے ساتھ نہیں برتتے بلکہ انہیں غیر رسمی اور تہہ دار معنوں میں کمال فنی بصیرت اور جمالیاتی شعور کے ساتھ برتتے ہیں۔ اور یہ اسی شعری رویے کا نتیجہ ہے کہ رفیق رازؔ کے شعر سے معنی ومفہوم اور کیفیت و تاثر کی جن صورتوں کا اخراج ہوتا ہے ان کی بنا پر قاری پہلے تو رفیق رازؔ کے شعری تجربے میں شریک ہوتا ہے اور پھر اپنے ذوق، خواہش مطالعہ اور حافظ اور انسلاکات کے مطابق شعر کے اصل جوہر یعنی تخلیقی تجربہ کو قبول کرتا ہے۔ لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوجاتی۔ رفیق رازؔ کی غزلیں لسانی اور عروضی، موضوعی اور جمالیاتی اعتبار سے تجرباتی جہتیں بھی رکھتی ہیں اور غزل کے حوالے سے کئی سوالات قائم

کرتی ہیں۔ مثلاً اردو غزل کی حالیہ ساخت، غزل کی قرات کے تفاعل میں قاری کی شرکت کے امکانات، غزل میں معاشرتی سیاسی اور ثقافتی حوالوں کی اہمیت آج کی غزل کا لسانی اور شعری نظام اور اردو زبان اور شاعری کے امکانات کی توسیع میں غزل کا کردار وغیرہ۔

آخر میں ایک اہم سوال جس کی جانب حامدی کاشمیریؔ اور شمس الرحمٰن فاروقی نے (انہار) کے فلیپ پر اور حکیم منظورؔ نے دیباچے میں اشارے تو کیے ہیں لیکن قطعی رائے دینے سے گریز کیا ہے یعنی یہ کہ (انہار) کے حوالے سے رفیق رازؔ کس قماش کے شاعر قرار پاتے ہیں۔ روایت پسند، ترقی پسند، جدید یا مابعد جدید؟ میں نے مضمون کے آغاز میں ہی کہا ہے کہ ہر ایک حالیہ ادبی تحریر کسی نہ کسی نہج سے سابقہ ادبی سرمایہ سے ایک جدلیاتی رشتہ ضروری رکھتی ہے۔ چنانچہ انہار کے بعض اشعار میں کلاسکی غزل سے لے کر جدید غزل تک کی ہلکی ہلکی آنچ ملتی ہے۔ لیکن میری رائے میں رفیق رازؔ اصلاً کسی مخصوص خیمے کا شاعر نہیں لیکن فکری، لسانی اور شعری رویوں کے حوالے سے رفیق رازؔ کی شاعری میں جو نیا ڈسکورس ملتا ہے وہ انہیں مابعد جدید شاعر کے بطور پیش کر رہا ہے۔ یہاں میں یہ یاد دلانا چاہوں گا کلاسیکی یا روایتی شعری جمالیات میں، غالبؔ اور میرؔ سے قطع نظر عام طور پر بنیادی اہمیت شعر کی خارجی ہیت، ظاہری معانی کی فن کارانہ تنظیم کو حاصل تھی۔ رفیق رازؔ کے یہاں ایسے ایک آدھ شعر ہی ملتے ہیں مثلاً

شب وصال کی راحت بھی سرسری ہوگی
جگر کے پار شب ہجر کی انی ہوگی

لیکن رفیق رازؔ کے بنیادی فکری رویوں پر نظر رکھیں تو ایسے اشعار روایتی بھی

نہیں لگیں گے۔ اسی طرح ترقی پسند شعری جمالیات نہ صرف خارجی ہیت کی پیروی کرتی ہے بلکہ شعر میں نظریہ مقصد، تعمیر اور تبدیلی کے حوالے سے موضوع کو زیادہ اہمیت دیتی تھی۔ رفیق رازؔ کے یہاں ترقی پسند شاعری کی لفظیات سے کہیں کہیں استفادہ کا رجحان تو ملتا ہے لیکن کوشش کے باوجود ایک آدھ شعر بھی ایسا نہیں ملتا ہے جس سے ترقی پسندی کی بو آتی ہو۔ اسکے برعکس جدیدیت کا رویہ داخلیت پر زور دینے کا تھا۔ جدیدیت نہ صرف ہیت و موضوع کی شرائط کی نفی کرتی ہے بلکہ اپنے ترقی پسند مخالف رویہ کی بنا پر شعوری طور پر خارجیت کی جگہ داخلیت، اجتماعیت کی جگہ انفرادیت، مقصدیت کی جگہ، لایعنیت اور تعمیریت کی جگہ یاسیت وغیرہ کے عناصر سے اپنے شعری جمالیات کی تشکیل کرتی ہے، البتہ جدیدیت نے شاعری میں تخلیقی زبان کے استعمال پر زور دے کر شاعری کو فی الواقعہ شاعری بنانے کی جو کوشش کی اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ رفیق رازؔ کے یہاں تخلیقی زبان کے حوالے سے جدّت پسندی کے کئی رنگ ملتے ہیں لیکن لایعنیت اور یاسیت کے مضامین کو فیشن کی طرح باندھنے کا رجحان کہیں کہیں ہی سامنے آیا ہے۔ مثلاً

اس شہر میں بھی عمر کا ایک حصہ گزارا
اس شہر میں بھی کوئی بھی نکلا نہ شناسا
تنہا وہ مسافر کہ تھکن سے تھا بہت چور
دیتا تھا کسے پیڑ کے سائے میں دلاسا

شہر، سایہ، پیڑ، تنہائی اور سفر کے حوالے سے بے بسی اور مایوسی کی فضاء پیدا کرنے والے ایسے چند ایک اشعار انہار میں ملتے ہیں۔ جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ رفیق رازؔ جدیدیت کی شعری جمالیات کے اندر کے شاعر ہیں۔ لیکن رفیق رازؔ

کے یہاں ایسے زیادہ اشعار ملتے ہیں جو جدیدیت کے معلوم رجحانات تنہائی، یا سیت، بے یقینی، اجنبیت وغیرہ شقوں کی نفی کرتے ہیں۔ اور جو ثابت کرتے ہیں کہ رفیق رازؔ جدید شاعر نہیں ہیں۔ ایسا اسلئے ہے کہ رفیق رازؔ اپنے تمام تر لسانی اور شعری رویوں کے ساتھ ساتھ مابعد جدید ثقافتی صورتحال کے حصار میں ہیں اور مابعد جدیدیت، ہیت اور موضوع کی نفی تو نہیں کرتی لیکن ہیت اور موضوع کو قطعی اور مستقل نہیں مانتی، نئی بدلتی ہوئی ، ثقافتی صورتحال میں زندگی کو یکسر Problematic مانتے ہوئے مابعد جدیدیت معنی کی وحدانیت کی جگہ تکسیریت اور ادعائیت کی جگہ آزادہ روی پر اصرار کرتی ہے۔ اور کسی طرح کے مسلمات، مفروضات، نظام اور نظریہ اور مہابیانیہ کو کلی و حتمی نہیں مانتی اور ان کے متبادل کی گنجائش رکھتی ہے۔ مابعد جدیدیت اسی بنا پر تخلیقی آزادی، خودروی اور طبعی آمد پر زور دیتی ہے۔ چنانچہ مابعد جدید شعری جمالیات کی رو سے اب شاعری میں اہمیت، ہیت اور موضوع سے زیادہ اس بنیادی جوہر یا تخلیقی تجربہ کی ہے جو شعر میں فنی، فکری اور جمالیاتی انفرادیت پیدا کرتا ہے۔ رفیق رازؔ کے ان اشعار کو دیکھیں۔

بجھتے رنگوں کا دھواں یہ جو مری آنکھ میں ہے
تو خدا ہے تو اسے موسمِ امکاں کر دے

کچھ بھی نہیں ہے اب یہاں ناممکنات میں
اس شہرِ نامراد میں ایسا ہوا بھی ہے

خوابوں سے ہم آنکھوں میں اجالا نہیں کرتے
بے چین ستارے کبھی سویا نہیں کرتے

مثل گل سر سبز مہکتے ہیں شب و روز
ہم واقفِ اسرار ہیں سوچا نہیں کرتے

پھیلی ہوئی ہے چار طرف گرد مہر و ماہ
روشن ہے میری آتش حیرت سے جلوہ گاہ

تابش افکار سے دہشت وہ مچی ہے
رنگ ہر اک لفظ کے چہرے کا اُڑا ہے

تیر گئی یاس کے موسم میں بھی تو نے
مصحفِ امکاں کا دیباچہ لکھا ہے

اس طرح کے اشعار کی روشنی میں اگر رفیق رازؔ کا آج مابعد جدید شاعر کہا جائے تو غلط تو نہ ہوگا لیکن بہتر یہی ہوگا کہ رفیق رازؔ جیسے Genuine اور امکانات سے پُر شاعروں کو ہر طرح کے خیمہ اور لیبل سے آزاد ہی رہنے دیا جائے ویسے یہ تو (انہار) کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص مانے گا کہ رفیق رازؔ نادر و نایاب لہجوں کا شاعر ہے۔ رنگوں کا شاعر ہے وہیں تصورات کا شاعر ہے دھنک رنگ احساسات کا شاعر

ہے جو خود اپنی ایک منفرد شعری جمالیات رکھتا ہے۔ رفیق رازؔ کی ہی زبان میں ؎

تیری خلاق طبیعت کے پرستار ہیں ہم
برف کے پھول سرابوں میں کھلائے جانا

......☆☆☆......

حکیم منظور

رفیق راز، ایک لہجہ ساز شاعر

رفیق راز کشمیر سے تعلق رکھنے والے ایک (Genuine) شاعر کا نام ہے۔ (Genuine) اس لحاظ سے کہ وہ شعر کہنے کے فن سے واقف ہیں اور اپنی ذات اور کائنات کے خالق کی تکون میں اپنے زاوئے کے درجے کا تعین کرنے کا جتن کرتے ہیں۔ کچھ لوگ اسے صوفیت کے خانے میں درج کریں گے مگر چونکہ صوفیت کو بھی میں ماورائے فہم کوئی کیفیت نہیں سمجھتا، اس لئے میں رفیق راز کو صوفی شاعر نہیں کہوں گا۔ رفیق راز کی شاعری انہی کیفیات سے لبریز ہے جن سے شاعری ترتیب اور تہذیب حاصل کرتی ہے۔ رفیق راز جدیدیت کی تحریک سے (اگر وہ واقعی کوئی تحریک تھی) وابستہ شاعر نہیں (اس امر کے باوجود کہ راز کا طلوع جدیدیت کی جوانی کے دور میں ہوا) وہ ترقی پسند شاعر بھی نہیں کہ اُس کے عروج کے زمانے میں وہ پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ وہ صوفی بھی نہیں کہ باوصف اس کے ان کی سوچ کا محور ان کی ذات ہے، وہ اصل ذات اور کائنات میں اپنے وجود کے معنی سے روشناس ہونے کی سعی کرنے سے منکر نہیں وہ ہمہ اوست یا ہمہ از وست، کے فلسفوں کے مبلغ بھی نہیں لیکن منطق اور معروض کی باریکیوں اور ان کی اہمیت سے کماحقہ واقف ہیں۔ وہ فعال اور متحرک ہیں، فکر روزگار بھی کرتے ہیں اور فکر

شعر بھی کرتے ہیں۔ منفی اور مثبت صحیح اور مہمل کی فسوں کاریوں کے رمز شناس بھی ہیں۔اسی لئے وہ (Genuine) ہیں۔

روشنی میں ہے تر فقیر کی چپ
اک شعاع فلک نورد سی ہے

یہ رنگ و بو جو گلابوں میں دیکھتے ہو تم
مرے سوال کا ان میں جواب رکھا ہے

آسودۂ نظر ہیں مناظر سراب کے
بھڑکے ہوئے ہیں شعلے بھی اسرارِ خواب کے

درون روح تری یاد کی رمق اب بھی
خموشیوں میں شرابور ہو رہی ہوگی

میں ذاتی طور پر کیفیتوں کی تشریح اور تفسیر بیان کرنے سے ہمیشہ عاجز رہا ہوں۔شعر چونکہ میرے نزدیک ایک ایسی کیفیت ہے جس کو لمس کی طرح محسوس کیا جاسکتا ہے مگر اسے گرفت میں نہیں لایا جاسکتا۔شعر کے بارے میں تمام فلسفیانہ اور عالمانہ موشگافیوں سے قطع نظر، کیا یہ حقیقت نہیں کہ کوئی (Genuine) شاعر کسی منصوبے کے تحت شعر نہیں کہتا اور نہ پہلے سے طے شدہ اور سوچے ہوئے موضوع پر خامہ فرسائی کرتا ہے۔موضوع کا تعین نظم کا خاصا ہے۔اسی لئے میرے نزدیک غزل انسانی مزاج کے زیادہ قریب ہے کیونکہ انسانی مزاج بھی کھونٹیوں سے بندھی

ہوئی کوئی چیز نہیں۔ انسانی مزاج، انسانی فطرت، کائنات کی بُنت اور مالک کائنات کے کُن فیکُون کا رمز، سب غزل کی طرح متنوع ہیں اور ہردم بلکہ ہر لمحہ بدلتے رہتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح غزل میں اشعار ایک دوسرے سے مختلف ہونے کے باوصف، باہم دیگر پیوست ہوتے ہیں۔ رفیق رازؔ اس رمز سے واقف ہیں، اسی لئے انہوں نے کشمیری اور اردو دونوں زبانوں میں صنف غزل کو اپنے اظہار کا وسیلہ بنایا ہے۔ ایسا کر کے انہوں نے ایک جوکھم مول لیا مگر بحمدِ للہ وہ اس کو کامیابی کے ساتھ سر کر گئے۔ اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ رازؔ کے یہاں محبوبہ غزل شادکام اور آسودہ ہے۔

تمہاری ذات کا سایہ ہے استعاروں پر
سمندروں کی حکومت ہے ریگزاروں پر

ترے نقشے میں آوازوں کے قلزم تو بہت ہیں
مری چپ کا وہ دہشت ناک صحرا ہی نہیں ہے

خوف خزاں تو ہر موسم میں رہتا ہے سرسبز مگر
ایک ہری آواز پہ اکثر زردی چھائی رہتی ہے

رقص میں برفاب کے سرو صنوبر ہیں یہاں
شعلۂ حیرت یہاں ہر شاخ پر لرزیدہ ہے

لمس کے سیلاب کی رفتار بھی کچھ تیز ہے
جسم کی دیوارِ مرمر بھی ذرا بوسیدہ ہے

میں روشِ عام کے مطابق رآز کے چند اشعار کی تشریح کر کے قارئین کے ذوق کے ساتھ زیادتی نہیں کرسکتا۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ شعر میرے نزدیک " کیفیت "اور احساس کا معاملہ اور ماجرا ہے اور کیفیت کو تشریح کی گرفت میں نہیں لایا جاسکتا، اس لئے میں اس سے احتراز کرتا ہوں۔ میں خائف ہوں کہ اگر میری تشریح سے رآز کا شعر مجروح ہوا تو میرے حصے میں شرمندگی کے سوا اور کچھ نہیں آئے گا۔ اگر میری تشریح رآز کے شعر کے ان کے ذہن میں پوشیدہ مفہوم سے مختلف ہوئی، تو رآز کے ساتھ بے انصافی ہوگی اور ان کو ٹھیس پہنچے گی۔ آج تک شاعری کی کئی شرحیں لکھی جاچکی ہیں اور آئندہ بھی لکھی جائیں گی۔ جو شاعر اس دارفانی سے کوچ کر گئے ہیں، وہ شرحوں کے صحیح یا غلط ہونے کے احساس کی شادمانی یا عذاب سے پرے ہیں لیکن زندہ شاعروں کے ساتھ میں کم از کم اس قسم کی زیادتی کا روادار نہیں۔ ممکن ہے یہ رویہ عام (اعتقادات) سے مختلف ہو مگر یہ میری اپنی رائے ہے اس لئے میں اسی پر مُصر رہوں گا۔ اسی تناظر میں رآز کے اشعار کو Quote کر کے ان کی تشریح سے میں گریز کرتا ہوں۔ اس کے باوجود قاری کی حیثیت سے اُن کی شاعری کے رنگ متعین کرنے کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور اپنے عندئے کیلئے میں اور کسی کو نہیں خود رآز صاحب سے تصدیق طلب کروں گا اور اس سلسلہ میں ان کے اشعار پیش کرنا ناگزیر ہوگا۔

سبزہ و خوشبو میں ایک سیلاب خوں پوشیدہ ہے
شہر کی دہلیز پر قہر سیہ خوابیدہ ہے

لرزتی شاخ ہوا اور پتیاں دوچار
کچھ ایسے قہر سے ہی ہم بھی ہیں میاں دوچار

اک خلل اور سراسیمہ سیہ خاک میں ڈال
خوف نادیدہ نواح دل بے باک میں ڈال

دشت بدن میں شور ہے ایسا مچا ہوا
جیسے قدیم مصر کا بازار مجھ میں ہے

چشم خورشید سے ہے برسر پیکار سیہ
کرۂ ذات میں کھلنے لگے اسرار سیہ

بڑی منچلی تھی کرن آخری
گئی لکھ کے دہلیز شب پر سیاہ

اک خموشی کہ مہکتی ہے مرے کمرے میں
ایک آواز کہ ہے نقش بہ دیوار سیہ

اک صدا ہوں میں کسی دشت سماعت کیلئے
ایک جگنو ہوں سر راہ طلب گار سیہ

کوئی صاحب الرائے شخص ظلمت کے وجود اور اس کی اہمیت سے انکار نہیں کرسکتا۔ رات کا سارا خمار اس کی ظلمت کا عکاس ہے اور رات کو قرآن نے لباس قرار دیا ہے۔ قرآن کے مطابق کائنات کا سفر "من الظلمٰت الی النّور" سا ماجرا ہے۔ انسان کی پیدائش بھی ظلمت سے نور کی جانب کی روداد ہے۔ ظلمت کے وجود سے نور کے معانی متعین ہوتے آئے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ ظلمت ذہن اور آنکھوں میں در آئے تو قہر ڈھا سکتی ہے اور رات بن کر چھا جائے تو سکون وانبساط کا موجب بن سکتی ہے اس میں قہاری اور غفاری دونوں وصف موجود ہیں۔ کوئی اسے سر کرنے میں کامیاب ہو جائے تو اس پر اسرار کھل جاتے ہیں۔ رآز اسی ظلمت کے رنگِ سیاہ کو منور کر کے اسرار آشنا ہونے کی سعی کرتے ہیں۔ وہ سیاہ رنگ کی کلید سے ذات کے طلسم خانے کے بند دروازوں کو کھول رہے ہیں۔ اسی لئے کچھ کو ان پر صوفی شاعر ہونے کا گماں گزرتا ہے۔ حقیقت تاہم صرف یہ ہے کہ رآز صوفی نہ ہوتے ہوئے بھی صوفی ہیں، زندہ ہوتے ہوئے بھی رند ہیں، رآز کے شاعرانہ وجود کے اجزائے ترکیبی کو مجتمع کیا جائے تو اس سے جو پیکر بنے گا وہ ایک مکمل شاعر کا پیکر ہوگا۔ حسین وجمیل اور قابل دید جیسے رفیق رآز کا شاعرانہ پیکر۔ رآز کی شاعری اسلئے بھی (Genuine) شاعری ہے کہ اس میں جو الفاظ بروئے کار لائے گئے ہیں ان کے معانی یک سطحی نہیں بلکہ ہمہ سطحی ہیں۔ اچھی شاعری کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ ایسے الفاظ پر مبنی ہوتی ہے جو جمالیاتی اور حسیاتی سطح پر قاری کے نگاہ ودل میں ایک خوشگوار ارتعاش پیدا کرے جس سے کچھ سوچنے اور مختلف انداز میں سوچنے کا عمل انگیخت ہو اس کیلئے ضروری ہے کہ الفاظ برتنے والا زبان پر خاصی دسترس رکھتا ہو۔ رفیق رآز کی شاعری اس مشکل شرط کو بھی پورا کرتی ہے یعنی رآز، مجموعی طور پر نہ

صرف اس بات سے واقف ہیں کہ انہیں کیا کہنا چاہیے بلکہ کیسے کہنا چاہیے اور کیوں کہنا چاہیے کے رمز سے بھی واقف ہیں۔

رفیق رازؔ کشمیری زبان کے ایک لہجہ ساز شاعر ہیں۔ جنہوں نے کشمیری شاعری میں ایک مختلف انوکھے اور دلکش پیرائیہ اظہار اور بلندی خیال کے باب کا اضافہ کیا۔ ان سے جو شاعر عمر کے لحاظ اور شعر کہنے کے تجربے کے حوالے سے بزرگ ہیں۔ وہ رفیق رازؔ کے لب و لہجے کے کہیں آس پاس بھی نہیں۔ ان سے جونئیر شاعران کا تتبع کرنے کی سعی تو کرتے ہیں مگر منہہ کے بل گر جاتے ہیں۔ اردو شاعری میں بھی رفیق رازؔ نے شعوری طور پر یا غیر شعوری طور پر ایک نئے لب و لہجے کا اضافہ کیا۔ شعوری یا غیر شعوری کا حوالہ اس ضمن میں اسلئے غیر ضروری ہے کہ کل حقیقت جو ہاتھ آتی ہے، یہی ہے کہ اردو شاعری میں بھی ان کا لب ولہجہ یکسر مختلف اور روش عام سے ہٹ کر ہے۔

ہم موسم حیرت کے اجالے نہ ہوئے تھے
یعنی کہ ترے چاہنے والے نہ ہوئے تھے

مایوس نہ ہو غور کرو اور ذرا سا
موجود ہوں تصویر بیاباں میں ہوا سا

شعاعوں کی ثنا بھی اسکی خاطر دن نکلتے ہی
ستاروں کی عنایت بھی اسی پر شام ہوتے ہی

ہر شے کہ ترے ہی دم سے قائم ہے
قندیل بھی رات بھی مسافر بھی

جلوۂ امکان کی خوشبو مکاں سے لامکاں تک
حیرتوں کی تابنا کی ہے مرے ظلمت کدے میں

پتے لرز رہے تھے خطرہ تھا آندھیوں کا
گھر ہو رہے تھے خالی موسم تھا ہجرتوں کا

مری زمیں کے ستاروں میں روشنی نہ رہے
تری جبیں کے فلک پر وہ مہر و ماہ نہیں

مجھے امید ہے کہ رفیق رازؔ کی اردو شاعری کا سنجیدہ نوٹس لیا جائے گا اور انہیں اردو کے معتبر شعرا کی صف میں مناسب جگہ دی جائے گی۔

......☆☆☆......

حامدی کاشمیری

رفیق راز...... تفکر آمیز لے کا خالق

میں بیس پچیس برسوں سے گاہے گاہے رفیق راز کی غزلوں کو اردو کے مستند جرائد میں پڑھتا رہا ہوں، مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ شروع ہی سے معاصر غزلوں کی یک رنگی اور عمومیت میں ان کی غزلیں اپنی مخصوص شناخت کی حامل رہی ہیں۔ یعنی وہ اپنے لب ولہجہ کی شخصیت کا احساس دلاتی رہی ہیں، اور اب جبکہ مجھے ان کے مجموعہ غزل انہار کو دیکھنے اور پڑھنے کا موقع ملا، تو مجھے ان کے کلام کے بارے میں اپنی قائم کردہ رائے میں کسی قسم کے ردوبدل کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ مجھے ان کی شاعری کے انفرادی خدوخال کو بھرپور طریقے سے متشکل(Visualise) کرنے میں آسانی رہی۔ شاعر کیلئے سب سے بڑی دشواری یہی ہوتی ہے کہ وہ شعر گوئی میں اپنے انفرادی لہجے کی تشکیل کرے اور قاری اسکا اکتشاف کرے۔ ہر دور میں کتنے ایسے شعراء ہیں جنکی تمام عمریں اسی جدوجہد میں تمام ہوتی ہیں کہ وہ اپنی آواز کے رنگ وآہنگ کو قائم کریں۔ مگر پھر بھی ان کی آواز آوازوں کے جنگل میں کھو جاتی ہے۔

رفیق راز پر یہ راز منکشف ہوا ہے کہ شاعری بنیادی طور پر لفظوں کی تخلیقی ترکیب سے وجود میں آتی ہے۔ وہ سوچے سمجھے گئے موضوعات کے پیچھے نہیں

دوڑتے، موضوعیت کی ترسیلیت کو اپنی منزل بنانے والے کہیں نہیں پہنچتے۔

رفیق رازؔ اپنے ذریعہ اظہار یعنی زبان پر ممکنہ توجہ مرکوز کر کے اپنے وجود کی شعری بازیافت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک ناشنیدہ حزنیہ، تفکر آمیز، اور درد آشنا لے کی تخلیق کرتے ہیں۔

ان کی غزلوں میں الفاظ کی کارآگاہی اور کارفرمانی کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ ان کے الفاظ قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔ اسکی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ ادراکیت سے اردو کی لسانی روایت سے رابطہ قائم کرتے ہیں۔ اور اس سے اخذ و استفادہ کرتے ہیں۔ بعض مقامات پر حد درجہ روایتی الفاظ و تراکیب بھی در آتے ہیں جو شعری عمل کی بالیدگی میں مانع نظر آتے ہیں۔ لیکن مجموعی طور پر یہ روایت کے سرچشموں سے فیض یاب ہونے کا فطری عمل ہے۔ جو چیز انہیں روایت کی تحکیم قبولنے سے روکتی ہے وہ ان کی ذہنی اپج ہے۔ جو لفظ کاری کا موجب بنتی ہے اور روایت اور جدت گلے ملتی نظر آتی ہے۔

رفیق رازؔ کی شاعری عصری اور معاشرتی موضوعات کو منہ نہیں لگاتی، تاہم ان کے اشعار میں عصری آشوب کی آگہی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ بظاہر ایک متضاد صورت حال ہے۔ لیکن اسکو یہ کہہ کر رفع کیا جاسکتا ہے کہ ان کی عصری آگہی مصنف کے بجائے متن سے صورت پزیر ہوتی ہے۔ جو شعور اور لاشعور کے تعمل سے خلق ہوتی ہے۔ یہ رویہ شعر کو ناشعر سے الگ کرتا ہے۔ اور یہی وہ سبب ہے جو ان کے اشعار کو اپنے مصنف سے ماورا کر کے معنی کی وحدانی حد بندی سے آزاد کرتا ہے۔ اس عمل میں ان کے یہاں لفظوں کا استعاراتی برتاؤ خصوصی طور پر مدد دیتا ہے۔ یہ استعارہ کاری ان کے اسلوب شعر کی نمایاں خصوصیت بن جاتی ہے۔ اور

گہرے تجزیاتی مطالعے کی متقاضی ہے۔

یہاں پر میں غالب کے اس شعر کے ساتھ اپنی بات ختم کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

کاوش کا دل کرے گا تقاضا کہ ہے ہنوز
ناخن پہ قرض اس گرہِ نیم باز کا

......☆☆☆......

میں بھلا کیسے بیاں کرتا سراپا اس کا
شب یلدا پسِ دیوار اسے دیکھا تھا

حامدی کشمیری

رفیق راز......لفظ کا اداشناس

۱۹۸۰ء کے بعد ریاستی اور ملکی سطح پر ابھرنے والے نئے شعرا میں رفیق راز نے بہت جلد اپنی انفرادیت منوانے میں کامیابی حاصل کی، وہ ان معدودے چند نئے شعراء میں نمایاں، امتیازی اور مستحکم حیثیت رکھتے ہیں جو تخلیق شعر میں دو بنیادی لوازم کو عزیز رکھتے ہیں۔ ایک جو شعر میں کسی منصوبہ بندی سے اپنے کسی خیال یا نظریے کو ڈھالنے کے بجائے لفظوں اور پیکروں کو اپنے بل بوتے پر ترکیبی صورت میں ڈھلنے اور نادرہ کار شعری تجربے میں منقلب ہونے پر اصرار کرتے ہیں، دوسرے جو روایت کے گہرے شعور کے ساتھ جدت کاری سے کام لیتے ہیں۔

رفیق راز خارجی زندگی کے خونچکاں واقعات، سانحات اور تضادات کا سامنا کرتے ہوئے ذہنی واردات سے گزرتے ہیں۔ اور گہرے زیاں، خوف، اجنبیت اور دل گرفتگی سے آشنا ہوتے ہیں، تاہم وہ مابعد جدید روّیے کے تحت خواب بینی سے دست بردار نہیں ہوتے، ہر چند کہ وہ لمحہ بہ لمحہ شکست خواب کے المیے کا سامنا کرتے ہیں۔

رفیق راز لفظ کے اداشناس ہیں، وہ لفظوں کے تخلیقی برتاؤ کو بروئے کار لانے کیلئے اپنی فہم و ذکاوت، مشاقگی اور ریاضت سے کام لیتے ہیں اور ان (لفظوں)

کے انسلاکات اور ممکنات کو راہ دیتے ہیں۔ اس طرح سے وہ تجربے کے متنوع مظاہر کی جلوہ گری کا ساماں کرتے ہیں۔ اور قاری کو خوشگوار حیرت سے دوچار کرتے ہیں۔ رفیق رازؔ کو بلاشبہ نئی نسل کے ان شعراء میں شامل کیا جاسکتا ہے جو آزادی فکر اور طلب و جستجو کو اپنا شعار بناتے ہیں اور یہ کام صنف غزل کے مسلمہ لوازم و آداب کی پاسداری کرتے ہوئے بھی انجام دینے کی سعی کرتے ہیں۔ نتیجتاً ان کی آواز صدائے بازگشت ہو کر یا گم ہو کر نہیں رہ جاتی۔ بلکہ اپنے منفرد ہونے کا گہرا تاثر پیدا کرتی ہے۔ یہ آواز مقامی تہذیبی نور ونغمہ سے برومند ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہے، اہم بات یہ ہے کہ ان کے ہاتھوں میں یہ غزل کا لسانی برتاؤ ہے، جو رفیق رازؔ کی شعری حسیّت کی تشکیل کرتا ہے۔

......☆☆☆......

جاوید انور

رفیق رازؔ کے تخلیقی زاوئے

رفیق رازؔ کی شاعری کا مطالعہ کیا جائے تو ان کی تخلیقی فکر اپنے ادبی میلانات کے حوالے سے خود کو جدیدیت کی ادبی فکر اور میلانات سے مربوط کر دیتی ہے۔ ان کی شاعری میں ارادی اور غیر ارادی طور پر جدید عناصر کی کارفرمائی میرے اس خیال کی مدلل تصدیق کرتی ہے۔ مثال کے طور پر جدیدیت کا ایک اہم عنصر وجودیت کا فلسفہ ہے جسے مغرب اور مشرق دونوں جگہوں چند خیالات سے مطابقت ہو کے بھی مختلف مقامات پر کلی بنیاد کے باوجود شرح و تعبیر میں بڑی بڑی تفریقات کا اعزاز حاصل ہے۔ چونکہ رفیق رازؔ ان تمام نظریات سے بخوبی واقف ہیں اس لئے ان کی شاعری کی انفرادی خصوصیتیں بھی اس میں ضم ہو گئی ہیں اور اس طرح رفیق رازؔ کے یہاں یہ فلسفہ ایک تخلیقی جہت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے علاوہ جدیدیت میں فردیت پر جو سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے اس کی مثالیں بھی رفیق رازؔ کے یہاں بہ کثرت مل جاتی ہیں۔ حمد و نعت کے اشعار میں بھی انہوں نے اپنا تخلیقی جوہر استعمال کیا ہے۔ اس حوالے سے چند اشعار۔

اب بھی اس پار کے منظر نظر آتے ہیں مجھے
خاک امید کو کچھ اور پریشاں کر دے

رہا ہے تیرے سوا دل میں اور کیا باقی
کہاں گئے وہ تمنا وخواب یا باقی

عجیب منظر سفاک بے کسی کا ہے
لبوں پہ مہر ہے آنکھوں میں التجا باقی

ابھی تو آنکھ ہے مصروف جلوۂ حیرت
ابھی زمین ہے تھوڑی سے زیر پا باقی

کیسا شہہ سوار تھا، برق کی تلاش میں
کائنات کو غبار سے غبار لکھ گیا

کھلتی ہے آنکھ جلتے مکانوں کے درمیاں
لگتی ہے آنکھ پڑھ کے فسانے ثمود کے

ان اشعار سے واضح ہے کہ رفیق رازؔ نے حمد و نعت کے حوالے سے بھی

عاجزی اور انکساری کا جو عمل پیش کیا ہے وہ ایک طرح سے کائنات میں انسان کی فضیلت کی ضمن میں انسان کے اعمال و مقاصد کی جانب بھی توجہ منعطف کراتا ہے۔ انہوں نے اپنے اشعار میں اپنی سماجی وجودیت اور دینی وجودیت دونوں کو معاشرے کے ایک ہی محور پر گردش کرنے کا عمل تسلیم کیا ہے۔ رفیق رازؔ اپنے تخلیقی رویے میں فکر اور ہیت کے درمیان کہیں دوری بنائے رکھتے ہیں اور کہیں اس دوری کو ختم کر کے ایک اکائی کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ ان کا فنی شعور اور لسانی بصیرت بھی اس کا ثبوت دیتے ہیں۔ تخلیقی عمل کا ایک ترقی یافتہ تصور کیا ہوتا ہے، کیا ہونا چاہئے اور کیا ہو سکتا ہے۔ چند اشعار۔

آنکھ میں پیہم ہوائے دید کا محشر بپا ہے
خاک اڑتی ہے برابر منظر بے منظری کی

لمس کے تپتے ہوئے صحرا میں رات
پیاس بھی تھی بارش رحمت بھی تھی

وسعتوں کا سلسلہ درپیش تھا
راہ میں اک منزلِ حیرت بھی تھی

آنکھوں میں بھڑکتے ہوئے شعلوں نے کیا کام
منظر کو دھواں ہونے کی چاہت بھی نہیں تھی

آگ کا دریا بھی ہے، عقل بھی ہے عشق بھی
میں ہی تذبذب میں ہوں، میں ہی ہوں تیار بھی

رفیق رازؔ نے اپنی شاعری میں لطیف تر جذبات واحساسات کو بہت کم جگہ دی ہے۔ ایسے موضوع کے بیان میں بھی کہیں کہیں حالات کی سختی تخلیقی ذہن پر غالب آگئی ہے۔ جیسا کہ مندرجہ بالا شعر نمبر۲، اور ۴ سے ظاہر ہے۔ ایک تیسری صورت بھی ان کے یہاں علامت کی تہہ میں پوشیدہ ہے۔ (شعر نمبر ۵) دراصل یہ رفیق رازؔ کے تخیل کی بیتاب لہروں کا کمال ہے۔ شعور ولاشعور میں جمع تجربات و مشاہدات پوری قوت ارادی کے ساتھ ان کے وجدان کے پس پشت اظہار کی کیفیت سے گزر کر صفحہ قرطاس پر اپنی جگہ بناتے ہیں۔ اپنے اردگرد کے ماحول اور حالات نے ان کے شعری وجدان کو جو ایک نیا رجحان دیا ہے۔ وہ بھی ان کی شاعری میں ہور ہی مختلف تبدیلیوں اور تجربہ کاری کے راستے ہموار کرتا ہے۔ یقیناً اپنے ماحول اور حالات کا اثر شاعر کے تخیل پر ہوتا ہے۔ لیکن جب اس کے پس منظر میں ساری دنیا کے حالات کو آئینہ بنا دیا جائے یعنی جب ذات میں کائنات کے ضم ہونے کا عمل شروع ہو جائے تو پھر شعری اظہار ذاتی یا اردگرد کے ماحول اور حالات تک محدود نہ رہ کر آفاقی تناظر اختیار کر لیتا ہے۔

ایک عجب آگ منظروں میں لگی تھی
شعلے نہ تھے ابر گوں دھواں بھی نہیں تھا

اونچے پربت کا پتہ تم سے ہراک پوچھے گا
گہری کھائی کی طرف ہاتھ اٹھائے جانا

ہم خاک کف پائے نگاراں تھے بصد شوق
ان تیز ہواؤں کے حوالے نہ ہوئے تھے

یہ گرجتا ہوا قلزم بے کراں کا سماں ہر طرف
لکھ نہ دے پیاس کی چلچلاتی ہوئی داستاں ہر طرف

میں خود ماضی ہوں یا ماضی مرا ہے ساتھ میرے
لگا ہے داغ اک ایسا کہ مٹتا ہی نہیں ہے

ان اشعار میں آگ، منظر، شعلہ، دھواں، پربت، کھائی، تیز ہوا، گرجتا ہوا قلزم اور ماضی جیسے الفاظ جہاں ان کے اردگرد کے مخصوص ماحول اور حالات کی ترجمانی کرتے ہیں وہیں آفاقی سطح پر اپنی علاماتی اور استعاراتی جہات اختیار کر لیتے ہیں جن کا تعلق کسی بھی ملک اور کسی بھی قوم سے ہو سکتا ہے۔ یہ تجربے جدید ذہن کے ڈکشن، ہیئت، مواد، اسلوب اور تکنیک کی نوعیت کا جہاں پتہ دیتے ہیں، وہیں ان کے تجربوں اور تبدیلیوں کا تخلیقی سطح پر دفاع بھی کرتے ہیں عنوان چشتی کے مطابق۔

"یہ رجحان نے شاعری کے دائرے میں کسی نہ کسی قسم کی تبدیلی اور تجربے کو

فروغ دیا ہے۔ عشق کے روایتی تصور میں تبدیلی کا رجحان غزل میں حقیقت پسندی کا رجحان، عشق کے ارضی وجسمانی تصور کا رجحان، اجتماعی اور سماجی شعور کا رجحان، وطن پرستی کا رجحان، سیاسی رجحان، اشتراکی رجحان، اصلاح کا رجحان، نئی دنیا کی تشکیل کا رجحان، روحانی رجحان، جنسی وجسمانی نیز مناظر فطرت کی عکاسی کا رجحان، فراریت کا رجحان، طنزومزاح کا رجحان، پیروڈی کا رجحان اور تجرباتی رجحان وغیرہ ایسے رجحانات ہیں جو اردو شاعری کی شریانوں میں خون بن کر دوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں اور جنہوں نے شاعری کو داخلی اور خارجی دونوں سطحوں پر تبدیلی اور تجربوں سے روشناس کیا ہے"۔

اگر پیروڑی کے رجحان کو نظر انداز کر دیا جائے تو باقی تمام کا تعلق رفیق راز کی شاعری سے ہے۔

ہر طرف اس شہر میں اک سنگ باری ہو رہی ہے
میں کہ ہوں زد میں بھی اور محفوظ بھی اک آئینے میں

کچھ تو اس کے ہونے کی ہر طرف خبر پھیلے
اے ہوائے صحرائی خاک ہی اڑا اس کی

آہنگ لاشریک لہٗ، ہر نفس میں ہے
جو بن پہ ایک موسم اسرار مجھ میں ہے

اس قلندر میں بات کچھ ہے ضرور
راکھ ملتا ہے جسم خاکی پر

بارش اثر کی آئے گی تاخیر سے میاں
ہفت آسماں کے سیر کو نکلی ہے میری آہ

رفیق رآز اپنی شاعری کیلئے عہد جدید کے ان موضوعات کا انتخاب کرتے ہیں جو مختلف ڈکشن، ہیت اور آہنگ کے اعتبار سے کچھ نیا اور انوکھا کرنے کی قوت اپنی لسانی تشکیل میں رکھتے ہیں۔ اس کے لئے رفیق رآز نے مغربی اور دیگر مشرقی زبانوں کے ادب کے براہ راست مطالعے اور تراجم کے سرمائے کے مطالعے سے بھی نئے امکانات اپنی شاعری میں پیدا کئے ہیں۔ انہوں نے عربی، فارسی اور اردو کی روایتی شاعری بالخصوص صوفیانہ شاعری سے بہت گہرا اثر لیا ہے۔ لیکن اپنے مشاہدے اور ادب میں لسانی اور تخلیقی سطح پر ہو رہی تبدیلیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے جس جرات مندی سے انہوں نے شاعری کے مروجہ روایتی پیکروں میں تبدیلی کا سراغ لگایا ہے، اس نے آنے والی نسلوں کیلئے بھی نئی روشنی پیدا کی ہے۔ اس طرح ان کی شاعری کو نئی جہت کی طرف اٹھائے گئے مثبت قدم سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

پانی سراب فکر کی موجوں سے دستیاب
سایہ کئے ہوئے ہے مسافر پہ گرد راہ

خوفِ خزاں تو رہتا ہے ہر موسم میں سرسبز مگر
ایک ہری آواز پہ اکثر زردی چھائی رہتی ہے

یوں تو میں نے خواب کئی دیکھے ہیں، دکھائے کچھ اس نے
رات کے خواب نے لیکن دہشت روح میں پھیلا رکھی ہے

روشنی میں ہے ترفقیر کی چپ
اک شعاع فلک نورد سی ہے

ایک نئے انصاف کا منظر ابھرے گا
ڈوبنے والوں میں ہوگا تنکا تقسیم

رفیق رازؔ نے ردیف، قافیہ کی داخلی اور صوتی تبدیلیوں پر بھی خاصی توجہ کی ہے۔ جس کی مثال ان کے مجموعہ کلام "انہار" کی آخری ۲۳ غزلوں میں ردیف "سیہ" اور "سیاہ" ہے اور ایک غزل کی "سیہ سیہ"۔ اس اعتبار سے انہوں نے مشکل قافیوں کا بھی استعمال کیا ہے۔ مثلاً جستجو، پہلو، زباں، دروازہ، دیدۂ، حرمت، ابتری، تودۂ، شاداب، شبنم، وحشت، نالے، طلب، اظہار، پیکر، نوائے وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان قافیوں کو ردیف "سیاہ" اور "سیہ" کے ساتھ نبھانا ہی بہت تخلیقی عرق ریزی چاہتا ہے۔ رفیق رازؔ نے انہیں جس طرح تخلیقی فن پارے کا حصہ بنایا ہے، وہ ان کی قادرالکلامی پر دال ہے۔ چند اشعار اس تعلق سے ملاحظہ ہوں:

دیوارو در پہ اب تو چمکتی ہے خامشی
اس گھر میں ہانپتی تھی کبھی گفتگو سیاہ

اک جوئے برق وموجہ بوئے رواں سیاہ
میری سیاہ فکر میں ہے لامکاں سیاہ

شہر شک شام گماں شعلہ نا امیدی
نفس مضمون بھی سیہ اور حوالے بھی سیہ

وقفے وقفے سے اذانوں کا دھواں اٹھتا ہے
سانس لیتا ہے ابھی شہر کا مینار سیہ

فصل یقین سبز پر ٹوٹ پڑی ہے بار ہا
سیل شرار کی طرح جوئے گماں سیہ سیہ

جیسا کہ مندرجہ بالا اشعار سے واضح ہے کہ رفیق رازؔ نے زبان کی تراش خراش کو مواد، ہیت اور تکنیک کے تجربوں سے منسلک کر دیا ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں جدت طبع سے وہ رنگ بھرے ہیں، کہ فکرو خیال اور جذبہ واحساس علامتی، اساطیری اور کہیں کہیں دیو مالائی تمثیلوں کی شکل میں مشکل اور تلخ بیانات کو

سنجیدہ پیرائے میں ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ رفیق رآز نے زبان اور تخلیق کے مروجہ اصولوں کو بالائے طاق رکھ دیا ہو۔ بلکہ جہاں جہاں بھی اپنے خیالات کے اظہار کیلئے انہوں نے مروجہ الفاظ کی تنگ دامانی کو محسوس کیا وہاں ترمیم و تنسیخ کے نسخوں سے کام ضرور لیا ہے۔ اور یقیناً یہ ان کے خیالات، محسوسات اور جذبات کی فطری آواز ہے جس نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے۔

دیوار و در سے ٹپکے یونہی قطرہ قطرہ زہر
سوئے ہواؤں پہ موت کا سایہ پڑا رہے

ایک پودا اگا ریگ زاروں میں جواب بھی آواز دیتی ہیں اس پیاسے کو
ڈوبے ڈوبے کناروں کی مدہوشیاں ٹھہرے سمندر کی گہرائیاں

بولے تو اک سکوت کے شعلے نے ڈس لیا
لب سی لئے تو والی شہر صدا ہوئے

عجیب لوگ تھے منزل کی بات کرتے تھے
چمکتی آنکھوں میں عکس غبار دشت لئے

یہ آسماں ہے مرے سر پہ اور زمیں نیچے
میں رینگتا ہوں ازل سے یہ تاج و تخت لئے

رفیق رآز نے اپنے اشعار میں زبان کا جو انفرادی اور ایک حد تک باغیانہ

استعمال کیا ہے اس سے انکشاف ہوتا ہے کہ ان کا تخلیقی ذہن اردو ادب کی تحریکوں اور رجحانوں سے خاصی حد تک واقفیت ہی نہیں رکھتا بلکہ ان تحریکوں سے استفادہ کرتے ہوئے شاعری میں برتنے کی فنی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ ان کے اشعار جہاں داخلی اور ذاتی حقائق کا اظہار کرتے ہیں وہیں خارجی حقائق سے بھی چشم پوشی نہیں کرتے۔ وہ بخوبی واقف ہیں کہ داخلی واردات کتنے بھی ذاتی کیوں نہ ہوں، ان کا تعلق کسی نہ کسی صورت میں خارجی حقائق سے ضرور ہوتا ہے ورنہ وہ محض تصوراتی نہج تک تو کارآمد ہوسکتے ہیں لیکن جمالیاتی عناصر کے فقدان کے سبب ان کی سطح بہت کمزور ہوتی ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی ذکر کیا ہے کہ ذات اور کائنات کے موضوعات کو احاطہ تخلیق میں لانے کیلئے بحور و اوزان کے مشکل، مشکل تر اور مشکل ترین انتخابات کے سبب آہنگ کے اعتبار سے انوکھی ہیت تشکیل خلیل الرحمٰن اعظمی کے ایک نظریے کی یاد تازہ کردیتی ہے۔ حالانکہ ان کا یہ بیان بالخصوص نظم کے حوالے سے ہے وہ یہاں پوری نئی شاعری سے گفتگو کررہے ہیں جس سے کافی حد تک اسے صنف غزل سے بھی منسوب کیا جاسکتا ہے اور آج کے عہد پر بھی پوری طرح صادق آتا ہے۔ خلیل الرحمٰن اعظمی کے لفظوں میں۔

"یہ دور برصغیر ہندو پاک میں تہذیبی، سیاسی، اخلاقی اور سماجی اقدار کی پامالی کا دور ہے۔ نظریہ، عقیدہ، نصب العین، آدرش، خوش آئند مستقبل کا خواب، جماعتی وابستگی اور اجتماعی تحریکوں پر یقین کا طلسم ایک ایک کرکے بکھرنے لگا۔ مینی فیسٹو، اعلان نامے، طے شدہ راستوں پر چلنے اور چل کر اپنی منزل مراد تک پہنچنے کے دعوے بے معنی اور بے سود نظر آنے لگے۔ نیکی، بدی، جھوٹ، اور سچائی، محبت اور نفرت، خلوص اور عدم خلوص کے بنے بنائے پیمانے بے کار نظر آنے لگے...... نئی

شاعری اب آزاد نظم کے مترادف نہیں سمجھی جاتی۔ نہ اس کی متعین اور سکہ بند ہیت ہے اور نہ اس کا بندھا ٹکا اسلوب، پابند، نیم پابند، معرا، آزاد ہر طرح کی اسالیب میں نئی جہتیں پیدا ہوتی ہیں اور نئی حسیت نے ان میں تازگی پیدا کی ہے...... نئی علامتیں، الفاظ کے تلازمے، نئے امیج، نیا منظر نامہ اور نئی فضا کا ہر جگہ احساس ہوتا ہے۔"

اب رفیق رآز کے چند اشعار کو دیکھا جائے۔

مجھ سے ہوائے تند پریشان ہے بہت
صحرا شناس حرف جنوں کا غبار ہوں

بس اک شبیہہ خواب تھی جب تک نگہ میں تھی
اتری ہماری روح میں دردو الم ہوئی

نہ جانے اگلی منزل کیسی ہوگی
پریشاں حال ہے یہ راستہ بھی

صحراؤں کے سفر پہ روانہ ہوا تھا میں
بکھرا پڑا ہوں ریت میں آثار کی طرح

آہنگ پر وقار تو مجروح کر گیا
حرف دعا سے دولت تاثیر بھی نہ لے

اب یہ ممکن ہے کہ محشر ہی بپا ہو جائے
خواب میں آنے لگے خواب دکھانے والے

رفیق راز نے اپنی شاعری میں خارج سے داخل کی طرف رخ کرتے ہوئے فرد سے کائنات کے رشتے کی دریافت کے سلسلے میں شخص اور جذباتی سطحوں کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ شعری تخیل میں شرکت ذات کے حوالے سے انہوں نے داخلی کیفیتوں کو اپنے اردگرد کے ماحول اور لامحدود پھیلی ہوئی کائنات سے اس طرح منسلک کیا ہے کہ اسلوبیاتی اظہار اس عہد کے مروج لسانی رویے سے بہت مختلف نظر آتا ہے یا اس کے آگے کی کڑی معلوم ہوتا ہے۔ ایک زوال پذیر تہذیب کی نمائندگی اور اس کے سائے میں اپنی شعری ذات وصفات کو لیکر چلنے کا عمل ذہنی پیچیدگی اور تخلیقی پیچیدگی کے درمیان سے بھی کسی نہ کسی مثبت راہ کا سراغ لگالیتا ہے اور کامیابی سے اپنی منزل کی طرف رخ کرتا ہے۔

تم کہ برفیلی گپھاؤں میں کہیں بھی نہ ملے
ہم کہ مٹھی میں لئے شمس وقمر آئے تھے

روشن ہے اک لکیر سر آسماں ابھی
کتنی ہے سخت جاں یہ دعائے سحرزدہ

لمس کی ضرب ہوتی ہے کاری
ہانپتے ہیں تمام نر ناری

زنداں کے بام و در پہ ہے رونق عجیب سی
شاید اڑا ہے رنگ ضمیر اسیر کا

ڈالی گئی تھیں کلفتیں اس میں ہزار ہا
دامن ہے تار تار جلا لی فقیر کا

کہیں کہہ نہ دے برملا دل کی بات
بہت ڈر رہے ہیں قلندر سے ہم

رفیق رازؔ نے شاعری کی اخلاقی قدروں کو زمان و مکاں کے ادراک کے ساتھ ساتھ بعض لمحاتی کیفیتوں اور شاعرانہ فکر و احساس کے مختلف پہلوؤں کے آئینے میں بھی پرکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری کے تشکیلی اور اثباتی پہلوؤں کا حصہ ادبی حسیت سے بہت استوار ہے۔ رفیق رازؔ اپنے عہد کی ہر بدلتی ہوئی حقیقت کو اس طور پیکر میں ڈھال کر پیش کرتے ہیں کہ موجودہ عہد ہی نہیں بلکہ آنے

والے عہد میں بھی ان کی شاعری مشعل راہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

میری وحشت کہہ رہی ہے بار بار
اس جگہ پہلے کبھی صحرا نہ تھا

میرا چراغ مانگ رہا ہے دعائے صبح
ظلمت کدے میں گرتی ہوئی بجلیوں کے بیچ

ہر شخص اپنے آپ سے مصروف ہے بہت
تنہا نہیں ہے کوئی بھی تنہائیوں کے بیچ

تو نے سب کچھ خاکستر ہی ڈالا
یہ خصلت تو آگ میں پائی جاتی ہے

رفیق رازؔ نے زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں اور شعری روایت کی نئی تبدیلیوں کی ضرورت اور اہمیت کو سمجھتے ہوئے اس طرح اپنی شاعری کو سنوارا اور نکھارا ہے کہ ان کی شاعری موجودہ اور آنے والے عہد کیلئے نئے شعری افق کی جستجو کے زاویے فراہم کرتی ہے۔ رفیق رازؔ نے اس جانب خود اپنے شعر میں یوں اشارہ کیا ہے۔

ہمارے خون کی خوشبو کہ جاگ اٹھے گی
معطر اس سے یہ اکیسویں صدی ہوگی

/☆☆☆/

دیپک بُدکی:

رفیق رازؔ......شعلہ شعلہ منظروں کا مصور

رفیق رازؔ وادی کشمیر کے اُن گنے چنے شاعروں میں سے ہیں جنہوں نے اردو ادب کیلئے اپنی زندگی وقف کر لی ہے۔ جن دنوں انہوں نے شاعری کے میدان میں قدم رکھا ہر طرف جدیدیت کا بول بالا تھا۔ اس لئے وہ اس تحریک سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور آخر کار اسی رنگ میں رنگ گئے۔ ان کی غزلیں شب خون میں چھپتی رہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنے لئے نئے راستے ڈھونڈ نکالے اور نئی منزلوں کی نشاندہی بھی کر لی۔ بہر حال حکیم منظور کا ماننا ہے کہ رفیق رازؔ "جدید ہیں نہ ترقی پسند، صوفی ہیں نہ فلسفی، وہ خالص Genuine شاعر ہیں جو فعال اور متحرک ہیں، فکر روزگار بھی کرتے ہیں اور فکر شعر بھی۔ منفی، مثبت اور مہمل کی فسوں کاریوں کے رمز شناس بھی ہیں۔"

رفیق رازؔ کو میں ذاتی طور پر تب سے جانتا ہوں جب وہ کشمیر ایمپوریم میں ملازمت کرتے تھے۔ یہ سن ۱۹۷۱ء کی بات ہے پھر انہوں نے نوکری چھوڑ کر مزید تعلیم پانے کیلئے کشمیر یونیورسٹی میں داخلہ لیا ور بعد میں ریڈیو کشمیر میں ملازم ہو گئے۔ بہت کم گو ہیں اور اکثر و بیشتر اپنی ہی دنیا میں گم رہتے ہیں۔ حساس طبیعت کے مالک ہیں۔ اردو اور کشمیری دونوں زبانوں پر یکساں مہارت حاصل

ہے۔۱۹۹۵ء میں ان کا کشمیری غزلوں کا مجموعہ "نے چھے نالان" شائع ہوا تھا۔ اس کتاب پر انہیں ساہتیہ اکادمی اور سٹیٹ اکادمی کے ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔ اُن کے اظہار کا وسیلہ غزل ہے گو ان کا لب ولہجہ دوسرے شاعروں سے مختلف ہے۔ جدید ادب کے زیر اثر انہوں نے روایتی اصناف سخن سے ہٹ کر تجربے نہیں کیئے۔ ان کی جڑیں روایتی شاعری میں پیوست ہیں اگرچہ شاخوں میں پیوند کاری کر کے نئے گُل بوٹے کھلائے ہیں تاکہ وہ انکی شاعری جہتوں سے ہمکنار ہو سکے۔

مشہور نقاد حامدی کشمیریؔ، رفیق رازؔ کے بارے میں لکھتے ہیں "وہ ان معدودے چند نئے شعراء میں نمایاں، امتیازی اور مستحکم حیثیت رکھتے ہیں جو تخلیق شعر میں دو بنیادی لوازم کو عزیز رکھتے ہیں۔ ایک جو شعر میں کسی منصوبہ بندی سے اپنے کسی خیال یا نظریئے کو ڈھالنے کے بجائے لفظوں اور پیکروں کو اپنے بل بوتے پر ترکیبی صورت میں ڈھلنے اور نادرہ کار شعری تجربے میں منقلب ہونے پر اصرار کرتے ہیں، دوسرے جو روایت کے گہرے شعور کے ساتھ جدت کاری سے کام لیتے ہیں"۔

رفیق رازؔ کی شاعری کو کشمیر کے حالات کے تناظر میں دیکھنا ضروری ہے۔ جنت کشمیر جو ۱۹۸۹ء سے دوزخ بنا ہوا ہے، وہ اسی ماحول میں شعلہ ء بیمار کی طرح ان ظلمتوں میں آزار بن کر جی رہے ہیں (شعر صفحہ ۱۱۹)، جہاں لہو کے تاجر غضب ڈھا کر مقبروں کو آباد کر رہے ہیں۔ (شعر صفحہ ۴۶)، جہاں ہجرتوں کے موسم نے ڈیرہ ڈال کر گھر کے گھر خالی کر دیئے ہیں (شعر ۵۰)، جہاں لبوں پر سفاک منظروں نے مہر لگا دی ہے (شعر صفحہ ۲۰) اور اب حالت یہ ہے کہ نہ گلستان ہے، نہ سبزہ، نہ کوئی مالی، بس ہر سو خشک سالی کا منظر ہے (شعر صفحہ ۳)۔ وہ حیران ہیں کہ ان کی

آنکھوں میں کس نے یہ خواب رکھ دیا ہے جس کے پورے ہونے کے امکان کم سے کم اس عہد میں تو نہیں دکھائی دیتا۔ (شعر صفحہ ۸۳)، رفیق رازؔ کی چند غزلوں میں نظم کی روانی ملتی ہے۔ ایسی مسلسل غزلوں میں انہوں نے کشمیر کے دردناک مناظر کو اپنا موضوع بنایا ہے اور بڑی چابکدستی سے ان کی تصویریں کھینچ لی ہیں۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۲۳، ۳۹، اور ۱۳۸) کشمیر کے پس منظر میں چند شعر:

لرزتی شاخ ہوا پیتاں دو چار
کچھ ایست قہر سے ہی ہم بھی ہیں میاں دو چار

برسوں تک ایک حشر کا عالم بپا رہا
گاؤں کے بعد ڈوب گیا تھا یہ شہر بھی

سفر سے پہلے اپنے گھر ہمیں نے تو جلائے تھے
ہمارا شہر ہی برسوں تہہ افلاک روشن تھا

کھلتی ہے آنکھ جلتے مکانوں کے درمیاں
لگتی ہے آنکھ پڑھ کے فسانے ثمود کے

کچھ بھی نہیں ہے اب یہاں ناممکنات میں
اس شہر نامراد میں ایسا ہوا بھی ہے

جامد وساکت ہر اک منظر ہراساں موت کے ڈر سے
شہر میں رقصاں فقط لٹکی ہوئی تلوار کا سایہ

سپرد خاک ہوئے آج بھی کئی معصوم
سپرد نار ہوئیں کل بھی بستیاں دو چار

ایسے شہر میں جہاں ہر روز کہیں کوئی حادثہ ہوتا ہے، کہیں کوئی بستی نذرِ آتش ہوتی ہے، اور کہیں کوئی معصوم بارودی سرنگ کا لقمہ بن جاتا ہے، وہاں رفیق رازؔ جیسا فکر مند اور حساس شاعر چپ کیسے بیٹھ سکتا ہے۔ چنانچہ اپنی سوچ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

دریا دریا رواں دواں ہے میری سوچ
کسی کے روکے رکتی کہاں ہے میری سوچ

چاروں اور کے منظر شعلہ ہیں
بیچ میں گم صم دھواں دھواں ہے میری سوچ

ان حالات پر کہیں کہیں وہ طنز بھی کرتے ہیں اور ان لوگوں پر بھی وار کرتے ہیں جنہوں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے۔ پھر ان لوگوں پر بھی اپنے تیر چلاتے ہیں جو مگرمچھ کے آنسو بہا کر دو چار الفاظ بول کر اپنے بلوریں ایوانوں میں لوٹ جاتے ہیں۔

اینٹ سے بجتی ہے اینٹ شہر میں دن کو
رات کو ٹکرا رہے ہیں جام و سبو بھی

یہ لوگ تو اک جہد مسلسل میں ہیں مصروف
یہ لوگ تو اپنے لئے کیا کیا نہیں کرتے

یہ لوگ آج جو خود ہیں اسمتیت کے شکار
ہوائے سخت کو رستہ دکھانے آئے تھے

کہنے آئے تھے مگر کچھ نہ کہیں گے اب تو
صرف الفاظ ہواؤں میں اڑیں گے اب تو

اس یگ میں آدمی جس عدم تحفظ، تنہائی، افسردگی، خوف، تاریکی اور بے چہرگی کا سامنا کر رہا ہے اس کا ذکر رازؔ کی شاعری میں بار بار آتا ہے۔ ان کی شاعری میں غبار، خموشی، جنگل، دشت، بے چہرگی، سرسبز، سیاہ، پیاس، ریگستان، اور ایسے ہی بے شمار الفاظ استعارہ بن کر رہ گئے ہیں۔ وہ اپنے الفاظ کو نہ صرف معنی عطا کرتے ہیں بلکہ ان کو زبان بھی دیتے ہیں۔ رازؔ کو زبان پر اتنی دسترس ہے کہ وہ جس لفظ کو چھوتے ہیں اسے سونا بنا دیتے ہیں۔ تنقید نگار جدید شاعروں سے اس لئے خفا ہیں کہ ان کی وجہ سے ترسیل دم توڑ چکی ہے۔ رفیق رازؔ کی شاعری ان نقادوں کیلئے کھلا چیلنج ہے وہ جدید شاعر ہیں لیکن مبہم نہیں۔ ایسی منظریت تو رومانی اور ترقی پسند

شاعروں کے پاس بھی نہیں ملتی۔ انہوں نے جذبات کی جس طرح عکاسی کی ہے، انہیں کا خاصا ہے۔ ان کے الفاظ خاموش بھی ہیں اور سب کچھ بیان بھی کرتے ہیں۔ ان کی آنکھ روتی بھی ہے مگر ظاہراً خشک بھی ہے۔ وہ اندھیروں میں پھنس بھی گئے ہیں مگر اجالوں کو ڈھونڈ بھی رہے ہیں۔ ان کی شاعری میں جن علامتوں کا ذکر ہے، اس کی چند مثالیں پیش ہیں۔

اس شہر میں بھی عمر کا اک حصہ گذارا
اس شہر میں بھی کوئی بھی نکلا نہ شناسا

کام نہیں آتی ہے تیری یاد کہ پسپا ہوتا ہوں
شام ڈھلے تنہائی پورے گھر پر حملہ کرتی ہے

کرفیو لگا اور گھر میں پاؤں جو رکھا
سامنے تنہائیوں کی فوج کھڑی تھی

ہر شخص اپنے آپ سے مصروف ہے بہت
تنہا نہیں ہے کوئی بھی تنہائیوں کے بیچ

تیرے کرم یوں تو بہت تھے مگر
مجھ پہ کسی غم کی عنایت بھی تھی

مجھ پر شب فراق نے چھوڑا ہے یہ اثر
سایہ بھی اب لگے ہے شبِ تاریا اخی

سورج اور چاند ستاروں کو بجھائے جانا
سرحد حشر تلک رات بچھائے جانا

رُکتا ہوں ہر اک موڑ پہ آنکھوں میں لئے دھوپ
ڈرتا ہوں وہی نقش نمودار نہ ہو جائے

شاخوں پہ پرندوں کو تذبذب ہے بلا کا
اک قتل سر سایہ اشجار نہ ہو جائے

اڈ پڑتے ہیں سناٹوں کے لشکر شام ہوتے ہی
بھیانک مجھ کو لگتا ہے مرا گھر شام ہوتے ہی

یہ گرجتا ہوا قلزم بے کراں کا سماں ہر طرف
لکھ نہ دے پیاس کی چلچلاتی ہوئی داستاں ہر طرف

دردوغم کا عالم یہ ہے کہ درودیوار، درد، آنکھیں، آنسو، گیسو، سوچ، نامہ اعمال،
یہاں تک کہ برف بھی شاعر کو سیاہ لگتا ہے۔ جس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے

کہ وہ جس ماحول میں جی رہے ہیں وہاں اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔

آج پھر کھیلی گئی ہے خون کی ہولی کہیں
ہوگیا ہے آج پھر اخبار کا کالم سیاہ

بھلا ایسے ماحول میں آدمی اور وہ بھی حساس شاعر کیسے اپنے احساسات اور جذبات کو روک سکتا ہے۔ طلوعِ آزادی کے بعد کشمیر میں لفظ (شہید) کے مفہوم بدلتے رہے۔ مزارِ شہداء پر ہر برس میلے لگتے رہے۔ مختلف سیاسی پارٹیاں شہیدوں کو مختلف عنوانات کے تحت یاد کرتے رہے۔ ان کے نام پر وہ سیاست کرتے رہے اور اپنے ایوانوں کو سجاتے رہے۔ بقولِ شاعر

کیا وہیں نخلِ ثمر دار اُگ آئیں گے
آگیا ہوں میں شہیدوں کو جہاں بو کر

انفرادی سطح پر شاعر جب اپنے اندر جھانکتا ہے، اپنے وجود کی بے ثباتی پر فکر مند ہوتا ہے تو اسے دنیا بنانے والے کی یاد آتی ہے۔ رفیق راز کے ہاں صوفی شعراء کا اثر نمایاں ہے اور وہ اپنی شاعری میں دنیا کی بے ثباتی کو، اپنے ہونے نہ ہونے کے مسئلہ کو اور تصوف کو اپنی شاعری کا موضوع بناتا ہے۔

جب زمیں و زماں کی حدوں سے نکلنے کی سازش ہوئی
ایک سہمی ہوئی سی نگہہ لکھ گئی آسماں ہر طرف

سوچ کہ تھی میرے ہی نشے میں چور
میرے نہ ہونے کی علامت بھی تھی

وہ سکوت لامکانی وہ حرائے لازمانی
کہ مہک رہے ہیں دونوں تری آہٹوں سے مولا

جلوۂ خواب کے مہتاب اگا دے شب بھر
چشم بے نور کے صحرا کو فروزاں کر دے

تیرا ہونا تیرے ہونے کی پہنائی پر ہے محیط
میری ادنیٰ سوچ کہ پھر بھی جال بچھائے رہتی ہے

اپنے محبوب کے درشن کیلئے شاعر حضرت موسیٰ اور کوہ طور کا ذکر یوں کرتا ہے۔
ذیل میں درج پہلا شعر بہت ہی خوب کہا ہے جس میں ندرتِ خیال ہے اور شاید اس طرح اس خیال کو کسی اور شاعر نے نہیں باندھا ہے:

وصل کے دن بھی وہ دونوں دو کناروں کی طرح تھے
بجلیوں کا رقص تھا اک درمیانی فاصلے میں

جسم کے کوہ طور پہ لرزہ طاری ہے
آنکھ نظارہ کرنے پر آمادہ ہے

تم بھی کرو زبانِ تجلی میں ہم سے بات
ہم بھی لکھیں گے طور پہ اک فقرۂ سیاہ

اپنے محبوب کی سادہ لوحی، روایت پرستی اور مجبوری کی طرف یوں اشارہ کیا ہے۔

ہائے وہ شخص کہ بے نور دریچوں پہ مرے
دود آلودہ چراغوں سے سحر لکھ کے گیا

چار قدم چل کے دیکھتا تھا پلٹ کے
ایک روایت کی دھند سر میں ابھی تھی

رفیق رازؔ کو یہ بات کھٹکتی ہے کہ جب تک کوئی معروف نقاد شاعر کو سٹیفکیٹ نہیں دیتا تب تک اس کو شاعر نہیں مانا جاتا ہے۔

اب پڑھے جانے لگے ہیں غور سے اشعار میرے
جانے اس نے بات ایسی کیا لکھی ہے تبصرے میں

یوں تو غبار دشت خموشی ہوں میں مگر
لفظوں کے پیرہن میں پیمبر دکھائی دوں

اتنا سب کچھ ہو کر بھی رفیق رازؔ ہمت نہیں ہارتے۔ انہیں خدا پر پورا بھروسہ ہے اور اس بات کا ایقان ہے کہ وہ صبح کبھی تو آئے گی۔

ہمارے خون کی خوشبو کہ جاگ اُٹھے گی
معطر اس سے یہ اکیسویں صدی ہوگی

مجھ کو چھوتے ہوئے ہر لمحہ گذرتا ہے کوئی
کبھی خوشبو تو کبھی موجۂ صرصر کی طرح

شمس الرحمٰن فاروقی رفیق رازؔ کے بارے میں رقمطراز ہیں "رفیق رازؔ اُن شعرا میں نمایاں ہیں جنہوں نے غزل کے اس روایتی پیکر کو توڑنے اور غزل کی آواز میں توانائی ڈالنے کی کامیاب کوششیں کی ہیں۔ گردوپیش کی زندگی اور شاعر کے احساس اور ذات کا اس سے محاربہ رفیق رازؔ کی غزل کا خاص موضوع ہے۔ لیکن وہ گردوپیش کی زندگی کو سیاہ چادر کی طرح اپنے اوپر اوڑھتے نہیں۔ اور نہ وہ اپنے محاربے کو جھنڈے کی طرح اٹھائے پھرتے ہیں۔

......☆☆☆......

جو بات گل کی خموشی میں ہم نے پائی ہے
وہ ایک بات صبا کے خطاب میں بھی نہ تھی

رئیس الدین رئیس

نئی غزل اور نئی فکر کے منفرد شاعر......رفیق رازؔ

رفیق رازؔ کا نام رفیق احمد اور رازؔ ان کا تخلص ہے۔ وہ برقی میڈیا سے وابستگی رکھتے ہیں۔ وہ دورِ کم سنی سے ہی شعر و شاعری پر مائل رہے اور 1982 سے ان کے کلام میں پختگی آتی چلی گئی اور ان کے نام کا اجالا سرحدوں کو عبور کر کے ان ممالک تک جا پہنچا جہاں اردو کی بستیاں آباد ہیں۔ رفیق رازؔ کا کلام ملکی اور غیر ملکی رسائل و جرائد میں تواتر سے شائع ہوتا رہتا ہے۔ اور اب ان کا پہلا شعری مجموعہ "انہار" جو محض غزلوں پر مبنی ہے انہیں ادب میں اہم مقام دلانے میں اہم کردار نبھا رہا ہے اور ان کی یہ شعری تصنیف حلقہ اہل نظر اور شائقین ادب سے بھرپور خراج تحسین وصول کر رہی ہے۔

کتاب خوبصورت سرورق اور روشن کتابت و طباعت، ضخامت اور مضبوط جلد ہونے کے سبب دیدہ زیب اور دلآویز ہے۔ کتاب کے فلیپ پر حامدی کشمیریؔ اور پشت پر شمس الرحمٰن فاروقی کی جامع اور وقیع آراء درج ہیں جبکہ پیش لفظ کی ذمے داری کو حکیم منظورؔ نے نبھایا ہے۔ کتاب اُس کے نام منسوب ہے جس نے پہاڑوں کے سینے شق کر کے میٹھے پانی کے چشمے جاری کئے اور جو دلوں کے بھید سے واقف ہے اور وہ سوائے اللہ کے اور کون ہو سکتا ہے۔ کتاب ایک حمد اور ایک سو چالیس

غزلوں کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔

رفیق راز خوش نصیب ہیں کہ نئی غزل کے شعرا میں انہوں نے اپنی مشق وریاضت ژرف نگاہی جانکاہی اور عرق ریزی کے بل پر اپنا منفرد مقام حاصل کیا ہے۔ ان کی تخلیقی توانائی کو جدت وندرت اور نادرہ کاری کے نئے سانچوں اور پیمانوں کی تلاش رہتی ہے۔ وہ غزل کی عمارت سازی میں سبھی کچھ نیا نیا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نئی غزل نئے مضمون نئی فکر نیا لہجہ اور نئے اسلوب سے عبارت ہوتی ہے۔ وہ غزل کی تعمیر میں نئے الفاظ نئے تلازمات نئی اصطلاحات نئے استعارات نئی علامات نئے اشارات اور نئی نئی تراکیب کو بروئے کار لاکر غزل کو قطعاً نیا انوکھا اور منفرد رنگ وروپ عطا کردیتے ہیں۔ نظریاتی اور روایتی رنگ کی شاعری سے انہیں چڑ ہے۔ پامال اور فرسودہ مضامین کی روایتی جگالی کے وہ انتہائی خلاف ہیں۔ سڑی گلی روایت کی بوسیدہ ہڈیوں کی مالا گلے میں ڈالنے والوں کا وہ مذاق اڑانے سے بھی نہیں چوکتے ہیں۔

بہت گھسیٹا اُسے میں نے داستانوں میں
میں کیا بلا ہوں پری دل میں سوچتی ہوگی

خود اپنی شاعری کے اسلوب اور اپنے منفرد لب ولہجے کے سبب وہ اپنی شاعری سے ہر طرح مطمئن اور آسودہ نظر آتے ہیں۔ انہیں فخر ہے کہ ان کے آسمان تلازمات سے شفق کی لالی پھوٹتی ہے اور ان کے بے صدا پتھریلے استعاروں کی چھاتی سے فکر ومعنی کے سرشاری وشادابی سے لبریز ٹھنڈے میٹھے چشمے ابلتے رہتے ہیں۔

چُپ چاپ ہے سنگِ استعارہ
بیتاب ہے فکر آبشاری

ہر ایک شعر میں روشن ہے صبح ملکِ سخن
ہر ایک لفظ میں رقصاں شفق کی لالی ہے

رآز کے مجموعے میں ایک ہی مناجات ہے۔ ان کی حمد و ثنا بھی انفرادیت و ندرت سے آراستہ فکر و خیال کے نقرئی چراغوں سے تنویر نور چھلکاتی محسوس ہوتی ہے۔ دیکھئے کہ بے در و بام گھر، بیاباں اور بجھتے رنگوں کا دھواں جیسی اصطلاحات اور تراکیب نے ان کے شعری نظام میں کس بلا کا تنوع پیدا کر دیا ہے ؎

بے در و بام سے اس گھر کو بیاباں کر دے
آج کی رات مجھے لالہء حیراں کر دے

بجھتے رنگوں کا دھواں یہ جو مری آنکھ میں ہے
تو خدا ہے تو اسے موسمِ امکاں کر دے

رآز کی شاعری بلند آہنگ صداؤں اور گہرے شوخ رنگوں سے اور موسیقی کی نغمہ ریز تانوں سے عاری فکر و شعور کو مرتعش کر دینے والی ایسی مدھم لہجے کی شاعری ہے جو ندی کی سبک خرام موجوں سے مشابہہ ہے۔ لگتا ہے شاعر عالمِ سکوت میں خاموش بیٹھا ذات حیات اور کائنات کے رازِ دروں سے پردہ ہٹا کر حقائق سے روشناس ہونے کا آرزومند ہے۔ وہ مظاہر کائنات کو اپنی داخلی دنیا کی تجربہ گاہ میں سمیٹ کر ان سے نتائج اخذ کرنے میں مصروف کار نظر آتا ہے۔ مختلف سوالات اور

مختلف تمنائیں اس کے دامن دل سے الجھنے لگتی ہیں۔ چند شعر ملاحظہ ہو۔

ہوائے لمس کو عرصہ ہوا ہے گذرے ہوئے
بدن کے دشت میں کیوں ہے غبار سا باقی

ہے ترجمان یہ خوشبوئے خامشی ہی مری
کہ اب تو کہنے کو کچھ بھی نہیں رہا باقی

بقید رنگ ہے آوارہ خوشبوؤں کا خرام
کہ شہر برگ و ہوا زندگی سے خالی ہے

راہ میں روشن ہیں آرزو کے دیئے بھی
دھند کے اُس پار تابناک ہے تو بھی

تو کسی دن لباس شعلہ میں
میرے برفیلے جنگلوں میں اُتر

رات کہ تیری صدا ہی آئی نہ خوشبو
راس نہ آیا مجھے یہ موسمِ ہو بھی

پیاس بجھے گی مری کتنے سرابوں کے بعد
اور ہیں کتنے سفر تیرے مرے درمیاں

عشق جنوں گیر کی ظلمت بھی تھی
روشنی آتشِ وحشت بھی تھی

رفیق رازؔ نے شاعری کیلئے اکثر مشکل اور غیر شگفتہ زمینیں اختراع کر کے ان میں فکر و معنی کے رنگا رنگ پھول کھلائے ہیں۔ ان کی شاعری میں مستعمل لفظوں کے معنی اکثر لغات سے مختلف ہوتے ہیں۔ ان کے الفاظ میں معنی کی پیاز جیسی بہت سی پرتیں ہوتی ہیں جو قاری کے سامنے معنی کے بہت سے در جھروکے اور روشن دان وا کر دیتی ہیں اور قاری اپنی پسند کے در یا جھروکے میں جھانک کر درِ معنی تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان کے ایک شعر کے کئی کئی مطلب ہوتے ہیں جو ان کی شاعری میں وسعت تہہ داری اور معنی آفرینی پر دال ہیں۔

ان کی شاعری کی ایک اور اہم صفت پیکر تراشی ہے۔ وہ قلم کو برش اور قرطاس کو کینواس بنا کر لفظی مصوری سے نئے منظر سجا کر انہیں اپنی زبان عطا کر دیتے ہیں اور منظروں کی زبان ان کے افکار و خیال کی ترجمان بن جاتی ہے۔ یہ انتہائی مشکل کام وہی شاعر انجام دے سکتا ہے جس میں تخلیقی توانائی کی بجلیاں بھری پڑی ہوں اور جو لفظی دروبست سے کام لینے کے ہنر میں باکمال بھی ہو۔ رفیق رازؔ اس مینا کاری کے کام میں ہر طرح طاق ہیں۔ پیکر تراشی یا لفظی مصوری کے حوالے سے ان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

نخلِ شب تاب کے سایوں پہ رقم ہوتی ہوئی
ایک صد رنگ صدا گردِ سفر آلودہ

قابل دید ہے فقیر کی چُپ
اک شعاعِ فلک نورد سی ہے

دو دھیا ابر کے محل سے کل
خون آلودہ آنگنوں میں اُتر

دشتِ گمانِ زرد میں یہ کس نے لکھ دیا
دریائے ریگِ سبز کہ بہتا ہوا بھی ہے

پتپتے ہوئے سراب فلک پر ہے داغ بھر
اک لختِ ابرِ تر کہ برستا ہوا بھی ہے

اس چشم نیم باز کے صحراؤں میں بھی اب
ملتے نہیں ہیں خواب کے آثار یا اخی

ہوا کی زد میں ہے اس شخص کا اب بھی یہ خاکستر
ہمیشہ جس کے سینے میں دلِ بیباک روشن تھا

والی شہر ابر تھا لیکن
برف زاروں میں بوگیا شعلہ

خارجی عوامل سے انسلاک کے بغیر شاعری انفعالیت اور قنوطیت سے گہنائی ہوئی رجعت زدہ بیمار شاعری بن کر رہ جاتی ہے۔ رازؔ اپنے معاشرے ماحول اور دنیا بھر میں رونما ہونے والے تغیرات واقعات اور سانحات پر گہری نگاہ رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں ہمیں عصر حاضر میں رونما ہونے والے واقعات کا ردِ عمل پر چھائیوں کی طرح ان کی شاعری میں قلابازیاں کھاتا واضح طور پر نظر آ جاتا ہے۔ احساس زیاں تشکیک اور خوف کے سائے ان کی فکر سے گذر کر جب اشعار کے قالب میں ڈھلتے ہیں تو یہ گوہر آبدار بن کر ہماری توجہ پوری طرح اپنی طرف منعطف کر لیتے ہیں۔

شاخوں پہ پرندوں کو تذبذب ہے بلا کا
اک قتل سر سایہ اشجار نہ ہوجائے

منظر تمام اکیلے ہیں نایاب شہر میں
آیا ہوا ہے دھند کا سیلاب شہر میں

منہ کھولے ہیں شہر کے مقابر بھی
ڈھاتے ہیں غضب لہو کے تاجر بھی

پتے لرز رہے تھے خطرہ تھا آندھیوں کا
گھر ہو رہے تھے خالی موسم تھا، ہجرتوں کا

رفیق رازؔ فکر و فلسفے کے شاعر تو ہیں ہی ان کی طرز فکر کبھی کبھی قلعہ تصوف کی فصیلوں سے جا ٹکراتی ہے۔ ان کے غور و خوص کا طریقہ ہی کچھ ایسا ہے۔ کبھی وہ خود کو کائنات کا جزو بن کر حسن ازل سے قریب ہونے کی کوشش کرتے ہیں تو کبھی ساری کائنات کو اپنی ذات میں سمیٹ کر انکشاف ذات کے چراغ روشن کر دینا چاہتے ہیں ان کا یہ انداز فکر انہیں ایک صوفی کا روپ دیدیتا ہے۔

قابل دید ہے فقیر کی چُپ
اک شعاع فلک نورد سی ہے

پیاس بجھے گی مری کتنے سرابوں کے بعد
اور ہیں کتنے سفر تیرے مرے درمیاں

آمد بر سر مطلب یہ کہ رفیق رازؔ نئی غزل کے ایسے شاعر ہیں جن کی تہہ دار علامتی شاعری اپنی انفرادیت اور نادرہ کاری کے سبب انہیں شہرت و مقبولیت کے اعزاز سے سرفراز کریگی۔

......☆☆☆......

ڈاکٹر شفق سوپوری

رفیق رازؔ کی متصوفانہ فکر

رشید حسن خان نے دیوان دردؔ مرتبہ ڈاکٹر نسیم احمد کے دیباچے میں خواجہ میر درد کے سلسلے میں ایک بے انصافی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ خواجہ صاحب صوفی صافی تھے، اس میں تو اختلاف نہیں، شک بھی نہیں، یہ بات تو مسلمات میں ہے! مگر یہ بات کہ وہ صوفی شاعر تھے اس طرح درست نہیں۔ ان کو جس طرح صوفی شاعر قرار دیا گیا ہے اس میں ان کی شاعرانہ حیثیت کے ساتھ بے انصافی ہوئی ہے اور ان کی حقیقی قدر و قیمت اچھی طرح سامنے نہیں آسکی۔ رشید حسن خان کے خیال میں دردؔ کے متصوفانہ اشعار میں یعنی ان شعروں میں جن میں تصوف کی اصطلاحیں نظم ہوئی ہیں، وہ بات نہیں جو ان کے دوسرے اشعار میں پائی جاتی ہے۔ ایسے اشعار میں شعریت کم ہے اور بعض جگہ کم تر ہے۔ ایسے اشعار دردؔ کے نمائندہ اشعار نہیں۔ یہ اردو غزل کے بھی نمائندہ اشعار نہیں۔

رشید حسن خان کا فرمانا درست ہے اگر چہ اس میں خواجہ میر درد کے ساتھ ایک اور ناانصافی کا اندیشہ پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ تصوف کو درد کے کلام کی ایک امتیازی شان تسلیم کیا گیا ہے اور درد کو اس سے محروم کرنے سے بہتر یہ ہے کہ اصلی درد کو دریافت کر کے ان کی حقیقی قدر و قیمت متعین کی جاتی۔

حکیم منظور نے رفیق رازؔ کے شعری مجموعے "انہار" کے دیباچے میں لکھا ہے کہ رفیق رازؔ صوفی بھی نہیں کہ باوصف اس کے ان کی سوچ کا محور ان کی ذات ہے۔ وہ دراصل ذات اور کائینات میں اپنے وجود کے معنی سے روشناس ہونے کے سعی کرنے سے منکر نہیں۔ وہ ہمہ اوست یا ہمہ اوست کے فلسفوں کے مبلغ بھی نہیں لیکن منطق اور معروض کی باریکیوں اور ان کی اہمیت سے کما حقہ واقف ہیں۔

رفیق رازؔ صوفی نہیں ہیں مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی متصوفانہ فکر ان کے اشعار کی جان ہیں اور یہ اشعار شعریت سے معمور بھی ہیں اور معاصر فکر کے ترجمان بھی۔ رفیق رازؔ کی شاعری کے فنی اور فکری پہلو جس قدر گہرے ہیں اتنے ہی متنوع بھی ہیں۔ ان کی فکر کے وقار نے ان کی شاعری کو ایک انوکھا آہنگ عطا کیا ہے جس میں متصوفانہ لے کی حرکت اور اس حرکت سے پیدا ہونے والی حرارت جوہر کی طرح موجود ہے۔ لہٰذا ان کی شاعری ایک ایسے منور نقطے کا درجہ رکھتی ہے جسے ان کی شاعرانہ شخصیت اور روحانی فکر کا سنگم کہا جاسکتا ہے۔ رفیق رازؔ کا ہر مشاہدہ اور تجربہ کسی نہ کسی طرح ایک پر وقار لے کے ساتھ متصوفانہ مرکز پر منتج ہوتا ہے لہٰذا ان کی شاعری کا ایک امتیازی پہلو یہی رجحان ٹھہرتا ہے۔

عام طور پر جدید شعراء کے یہاں تصوف کا رجحان پرانے مسلمات اور اقدار سے دست بردار ہونے کے احساس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بے یقینی، تشکیک، تنہائی اور مایوسی کے طور پر جنم لیتا ہے جسے فرار کی ہی ایک صورت قرار دیا جاسکتا ہے۔ رازؔ کے یہاں اس کے برعکس تصوف کا تصور اپنی پاکیزہ روایت کے ساتھ علمی اور اجتہادی حیثیت رکھتا ہے اور اس میں روحانی بصیرت کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

رفیق رازؔ کے یہاں صوفیانہ عمل کے رویے میں دو نمایاں جہتوں کا پتہ چلتا

ہے، ایک میں تصوف سے متعلق عملی بصیرت کا احساس ملتا ہے اور دوسری تصوف کے عملی پہلو کی دلالت کرتی ہے۔ تصوف کی عملی بصیرت کے حوالے سے رفیق رآز کی شاعری کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کشمیر کی ایک ایسی مقدس اور پاکیزہ روحانی روایت کے سائے میں پروان چڑھے ہیں جہاں صوفی بزرگوں، فقیروں، قلندروں اور خدا دوست لوگوں کی حیات کے نورانی قصے اہلِ بصیرت کے کردار اور نفسیات پر کسی نہ کسی طور اثر انداز ہوتے ہیں۔ اہلِ معرفت کے دلوں تک اس عظیم الشان روایت کے سوتے لل دید، شیخ العالمؒ، صمد میر، احد زرگر، شمس فقیر، رحیم صاحب سوپوری، وغیرہ صوفی شعراء کے کلام کے لافانی سرچشموں سے پہنچتے ہیں۔ رآز نے اس روایت سے اس قدر فیضان حاصل کیا ہے کہ ان کی شاعری کو اس روایت کی تجدید اور توسیع کہا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں وہی آہنگ، شرینی، نرمی، حلاوت، جلال و جمال، آگہی اور شعور کے عناصر پائے جاتے ہیں جو اس روایت کا خاصہ ہیں۔ ان صوفی شعراء کے کلام کا مطالعہ قاری کو جگہ جگہ پر کئی ایسے الفاظ، استعارات اور علائم کی موجودگی کا احساس دلاتا ہے جو ان کے بنیادی رجحان اور رموزی تجربات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ رفیق رآز نے اس رمز کو سمجھا ہے اسی لئے ان کی شاعری میں جگہ جگہ پر "سیاہ" "سکوت" "خوشبو" "سوچ" اور اس نوع کے ایسے الفاظ و علائم پائے جاتے ہیں جو ان کی متصوفانہ فکر کے ترجمان کہلائے جاسکتے ہیں۔

رآز کے کلام میں اکثر و بیشتر لفظ سیاہ/اندھیرا/اور سفید/روشنی کے تلازمے اور ان سے وابستہ متصوفانہ مفاہیم ان کے اظہاری پیرائے اور معنیاتی نظام میں ایک گہری درونیت کا شدید احساس پیدا کرتے ہیں۔ دراصل سیاہی، تاریکی کے

بغیر سفید، روشنی کا تصور اور ظہور ناممکن ہے۔ ان دونوں تلازمات کے آمیزے سے کائینات کے وسیع نظام کے امکانات کو استعاراتی پیرائے میں اظہار کرنا آسان اور ممکن ہو جاتا ہے۔ رات کے معنوں میں اگر لفظ سیاہ کی استعاراتی شان کا تجزیہ کیا جائے تو رات خدائے جمیل کی صفتِ نور کو ظاہر کرنے کا ایک بنیادی وسیلہ ہے۔ رات کے وجود سے سورج کے ظہور کی امکانی قوت اور وسعت کا اندازہ ہو جاتا ہے ،رآز کا ایک شعر ہے۔

کچھ دیر اے خدایہ تراشعبہ سیاہ　　　　میرے تفکرات کی تحویل میں رہے

اس شعر میں تفکرات کی تحویل کے ساتھ شعبہ سیاہ نے شاعر کی خلاقانہ صلاحیتوں کو بدرجہ اتم اجاگر کیا ہے۔ نور اور تاریکی کے آمیزے سے ذاتِ خداوندی کا عرفان تصوف کے کس عالم میں ہوتا ہے یہ مجھے معلوم نہیں البتہ جب بھی اس عرفان کی کیفیت اور لطف کو ظاہر کرنا ہو تو اس سے زیادہ پر اثر اور پر کیف اندازِ بیان نہیں ہوسکتا۔

نغمۂ نور کی ہر لے میں چمکتا ہے وہی
مثلِ مفہوم وہی حرف کے اس پار سیہ

رفیق راز جہاں مظہر امکان میں جلوہ حیرت دیکھتے ہیں وہیں دود خموشی میں شعلۂ اسرار کا نظارہ بھی کرتے ہیں۔ حضرتِ ابراہیم کے نارِ نمرود میں کودنے کے واقعہ میں اہلِ بصیرت کیلئے مظہر امکاں بھی ہے، جلوہ حیرت بھی اور شعلۂ اسرار بھی ہے۔

مظہر امکاں میں تو جلوۂ حیرت بھی ہے

دودِ خموشی میں ہے شعلۂ اسرار بھی

رآز کاایک خوبصورت شعر ہے۔

لرزاں ہے نخل آب پہ اک شعلۂ سیاہ

حیرت میں ڈالتا ہے مجھے قصۂ سیاہ

پہلے مصرع میں غضب کا بصری پیکر ہے۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ایسا کھلتا اور گم ہوتا پیکر تخلیق کرنے سے پہلے شاعر کے لاشعور میں قرآن مجید کا یہ فرمان رہا ہوگا۔

"یا (ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے) جیسے دریائے عمیق میں اندھیرے جس پر لہر چڑھتی چلی آتی ہے۔ (اور) اس کے اوپر اور لہر (آ رہی ہو) اس کے اوپر بادل ہو۔ غرض اندھیرے ہی اندھیرے ہوں۔ اس پر ایک (چھایا ہوا) جب اپنا ہاتھ نکالے تو کچھ نہ دیکھ سکے۔ (ترجمہ)

اب مندرجہ بالا شعر کے ساتھ یہ شعر ملاحظہ کریں۔

ابھی تو آنکھ ہے مصروفِ جلوۂ حیرت

ابھی زمین ہے تھوڑی سی زیرِ پا باقی

رفیق رآز کی شاعری میں متصوفانہ عمل کے عملی پہلو کا جائیزہ اس حقیقت کا پتہ دیتا ہے کہ ان کے یہاں مذہب، تصوف یا مابعد الطبیعات کی طرف مراجعت کا عمل کسی مجبوری یا فیشن کے نتیجے میں نہیں بلکہ ایک عملی تجربے کی صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ یہ عمل روحانیت کے گوناگوں تجربات اور مشاہدات پر محیط ہے۔ ان تجربات اور مشاہدات کا مظہر کبھی کوئی شعری کردار بنتا ہے تو کبھی خود شاعر کی ذات۔ یہ سچائی کی تلاش میں ذہن اور فکر کے مختلف مشاہدات کا اظہار ہے۔ اسے

تلاشِ حقیقت کا باطنی سفر کہا جا سکتا ہے۔ حقیقت جو غیر مادی، نا قابلِ تغیر، ازلی، غیر حادثاتی اور ابدی ہے۔ اپنی ذات اور اس عالم محیط کے بارے میں سوچنے اور حقیقت کو حاصل کرنے، نیز اس کے اسرار دریافت کر کے انہیں مدرک کرنے کی طلب رفیق راز کے شخصی تجربے اور انفرادی حال پر استوار ہے جس کے ذریعے وہ بذاتِ خود مشاہدہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور حقائق کے ذریعے بات کرتے ہیں۔ مثلاً ان کے یہاں لفظ چپ، سکوت، خاموشی صوفیانہ عمل کے اس مرحلے کی طرف اشارہ کرتا ہے جہاں جب صوفی خاموش رہتا ہے تو علائق دنیوی سے اس کی علاحدہ ہو جانے کی بابت اس کے اعضاء بولتے ہیں۔

خاموشیوں میں اسکی قہرِ ہوا کی خوشبو
آنکھوں میں اس کا موسم لب بستہ جنگلوں کا

بس کہ اک گنجینہ اسرار ہے خاموشی اس کی
روشنی سے تر ادھوری بات پورے آدمی کی

میرے سکوتِ فکر میں ہلچل بھی ہے مری
بس اک ترا خیال نہیں ہے بنائے خواب

چپ ہی مجھے لگتی ہے امکان سے روشن
سوچ مری شعلگی ارض وسما ہے

رفیق راز کے یہاں توجہ، سوچ، دھیان (Contemplation) کا لفظ

ذکر واذکار یا مراقبے کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ حالت اہلِ خلوت کے اس عالم سے تعبیر ہوتی ہے جہاں ان کے روز وشب اوراد و وظائف اور ذکر میں بندھے ہوتے ہیں۔ مراقبہ کو عین ذکر بلکہ اس سے بھی افضل درجہ حاصل ہے۔ رفیق رازؔ اپنی قوتِ ادراک کو پوری طرح صفات کے تصور میں اس درجہ غرق کرتے ہیں کہ انہیں ہر طرف ذات کا پرتو نظر آتا ہے۔ یہ عالم نفئ وجود کا ہے۔

چپکے سے میرے نہ ہونے کا تماشا تو ہوا

سوچ کے صحراوں میں اب اور کیا ہونے کو ہے

رفیق رازؔ صداقتوں اور حقیقتوں کا صحت مند شعور رکھتے ہیں ان کا کمال یہ ہے کہ وہ حقائق اور صداقتوں کو منظّم و مربوط کرنے اور ان میں جمالیاتی آہنگ پیدا کرنے کیلئے خیال آفرینی کا سہارا لیتے ہیں۔ ان کے یہاں تشبیہ و استعارہ اور علامت کے استعمال سے مختلف حقیقتیں آپس میں پیوست ہوتی ہیں۔ رفیق رازؔ نے جدید اور مابعد جدید غزل کو متصوفانہ فکر کے حوالے سے ایک نئ شعری جمالیات عطا کی ہے۔ یہ ان کا سب سے بڑا امتیاز ہے۔

☆☆☆☆☆

☆☆☆

اداس جتنی زمیں آج بارشوں میں ہے
اداس اتنی کبھی قحطِ آب میں بھی نہ تھی

ریحانہ اختر

رفیق رازؔ......فعال اور متحرک فکر کے شاعر

رفیق رازؔ ریاست جموں و کشمیر کے نمایاں شعراء میں شمار ہوتے ہیں۔ ادھر کئی برسوں سے ان کی شہرت میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ انہوں نے اپنی خلاقانہ صلاحیتوں سے اردو کے اہم شعراء میں اپنا ایک ممتاز مقام حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ ان کا کلام اردو کے مشہور و معروف رسالے "شب خون "(الہ آباد) میں کثرت سے شائع ہوتا رہا ہے۔ "شب خون" کا امتیاز یہ تھا کہ اسمیں صرف ان شعراء کا کلام چھپتا تھا جن میں کوئی امتیازی شان ہوتی تھی۔ میں نے "شب خون" کے مطالعے سے ہمیشہ یہی محسوس کیا ہے کہ اس میں شامل کلام معیاری ہوتا تھا۔ افسوس اس رسالے کے بند ہونے سے با ذوق قارئین اب معیاری تخلیقات کے مطالعہ سے محروم ہو گئے ۔ رفیق رازؔ کے کلام سے میری شناسائی "شب خون" کے توسط سے ہی ہوئی۔ میں نے ہمیشہ یہی محسوس کیا ہے کہ ان کے کلام میں چند ایسی امتیازی چیزیں موجود ہیں جو معاصر شعراء کے یہاں دیکھنے کو نہیں ملتی ہیں۔

رفیق رازؔ کا پہلا اردو شعری مجموعہ "انہار" سال 2004ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اس مجموعے میں اگرچہ زیادہ کثرت ان غزلوں کی ہے جو "شب خون" یا دوسرے رسالوں کی زینت بن چکی تھیں تاہم ان غزلوں کے مکرر مطالعے سے قاری رفیق رازؔ کی شاعری کے بارے میں اپنی مستقل رائے قائم کرسکتا ہے۔ پروفیسر حامدی کاشمیری رفیق رازؔ کی شعری خصوصیات کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔

"۱۹۸۰ء کے بعد ریاستی اور ملکی سطح پر ابھرنے والے نئے شعرا میں رفیق رازؔ نے بہت جلد اپنی انفرادیت منوانے میں کامیابی حاصل کی، وہ ان معدودے چند نئے شعراء میں نمایاں، امتیازی اور مستحکم حیثیت رکھتے ہیں جو تخلیق شعر میں دو بنیادی لوازم کو عزیز رکھتے ہیں۔ ایک جو شعر میں کسی منصوبہ بندی سے اپنے کسی خیال یا نظریے کو ڈھالنے کے بجائے لفظوں اور پیکروں کو اپنے بل بوتے پر ترکیبی صورت میں ڈھلنے اور نادرہ کار شعری تجربے میں منقلب ہونے پر اصرار کرتے ہیں، دوسرے جو روایت کے گہرے شعور کے ساتھ جدت کاری سے کام لیتے ہیں"۔

شمس الرحمٰن فاروقی نے جن باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے وہ اس اعتبار سے اہم ہیں کیونکہ ان میں معروضیت نظر آتی ہے اور اگر ان نکات پر وضاحت کے ساتھ بات کی جائے تو رفیق رازؔ کے کلام کی خصوصیات بہت حد تک متعین کی جاسکتی نہیں۔ فاروقی صاحب لکھتے ہیں۔

"رفیق رازؔ کی غزل گوئی کا سب سے نمایاں پہلو اس کا فکری آہنگ ہے۔ غزل کے بارے میں مدت تک یہ غلط فہمی بعض حلقوں میں رہی کہ اسے سادہ اور میٹھا اسلوب ہی درکار ہے۔ بعض لوگوں نے تو غزل میں استعارے کو بھی ناپسند کیا

ہے۔ بعض لوگوں نے غزل سے تقاضا کیا کہ اس میں صرف آپ بیتی اور ذاتی داخلی وارداتوں پر مبنی مضامین ہوں۔ رفیق راز اُن شعرا میں نمایاں ہیں جنہوں نے غزل کے اس روایتی پیکر کو توڑنے اور غزل کی آواز میں توانائی ڈالنے کی کامیاب کوششیں کی ہیں۔ رفیق راز کی عمر ابھی زیادہ نہیں ہے لیکن ان کے لہجے اور افکار دونوں میں تمکین اور پختگی کے آثار نمایاں ہیں۔ گردوپیش کی زندگی اور شاعر کے احساس اور ذات کا اس سے محاربہ رفیق راز کی غزل کا خاص موضوع ہے۔ لیکن وہ گردوپیش کی زندگی کو سیاہ چادر کی طرح اپنے اوپر اوڑھتے نہیں۔ اور نہ وہ اپنے محاربے کو جھنڈے کی طرح اٹھائے پھرتے ہیں۔ انہیں اپنے محسوسات اور مشاہدات کو شعر کے قالب میں ڈھالنے میں کوئی مشکل اس لئے نہیں ہوتی کہ وہ شعر کے تقاضوں کو باقی تمام چیزوں پر مقدم جانتے ہیں۔ ان کے شعر کا آہنگ انفعالیت اور بے چارگی کے احساس سے بالکل عاری ہے۔ زبان کے ساتھ بھی ان کا رویہ غیر رسمی اور تخلیقی ہے"۔

رفیق راز بنیادی طور پر فعال اور متحرک فکر کے شاعر ہیں۔ ان کی فکر کا سفر کسی خاص نکتے یا مقام پر آکر نہیں ٹھہرتا بلکہ ذات اور کائینات کی لامحدود وسعتوں میں رواں ہے۔ رفیق راز کو کسی خاص مقصد، تحریک اور رجحان سے وابستہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ ان کے لہجے کو کسی مخصوص اسلوب کی توسیع یا تجدید کہا جاسکتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ انہیں روایت کا گہرا شعور اور ادراک حاصل ہے۔ اور وہ جگہ جگہ اس سے اکتساب بھی کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ رفیق راز نے اپنی شعری کائینات کے ساتھ ساتھ اپنے اظہار کے طریقوں کو خود خلق کیا ہے۔ جس کی توسیع ممکن ہے تتبع نہیں۔ میں مرحوم حکیم منظور کی اس رائے سے اتفاق کرتی ہوں کہ

رفیق راز نے شعوری طور پر یا غیر شعوری طور پر ایک نئے لب و لہجے کا اضافہ کیا۔ ایک جنوین (Genuine) شاعر کا یہی کارنامہ ہوتا ہے کہ وہ حقیقتوں کو نہ صرف الگ زاویہ نگاہ سے دیکھتا ہے بلکہ اپنے اسلوب کے ذریعے سے قاری پر بھی ان اسرار و رموز کا انکشاف کرتا ہے جو اس کے تجربات کا حاصل ہوتے ہیں۔ یہاں فکر اور اسلوب ایک نامیاتی اکائی بن جاتے ہیں۔ رفیق راز نے اس عمل میں کس حد تک کامیابی حاصل کی ہے وہ ذیل کے اشعار سے ثابت ہوتا ہے:-

رکتا ہوں ہر اک موڑ پہ آنکھوں میں لئے دھوپ
ڈرتا ہوں وہی نقش نمودار نہ ہو جائے

پتھر سے پھوٹتا ہے کہیں چشمہ شعاع
یہ کس فضول شوق میں ہم مبتلا ہوئے

شرار برق فنا تو مرے لئے تھا خبر ہے
مگر وہ شعلہ لب رنگ کن لبوں کیلئے تھا

برگِ آوارہ یدِ بیضا مجھے لگنے لگا
قہر ساماں موسموں کی ابتدا ہونے کو ہے

موج بے قابو کو تیروں کی حفاظت مل گئی
پھول جیسے لب کے حق میں تشنگی لکھی گئی

میں نے یہ اشعار کسی اہتمام کے بغیر ہی نقل کئے کیونکہ رفیق راز کے کلام سے شعروں کا انتخاب کہیں سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ شعر ۱ میں "دھوپ" کی علامت اہم ہے۔ اس کے ساتھ "وہی نقش" نے ابہام اور اسرار کی ایک صورت پیدا کی ہے۔ شعر ۲ میں پتھر کے ساتھ چشمہ شعاع اور پھر "فضول شوق" میں مبتلا ہونا کئی باتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پتھر کو اگر انسان کے دل کی علامت مانا جائے تو چشمہ شعاع انسانی جذبے اور احساس کا استعارہ بن جاتا ہے۔ دوسرے مصرع میں شاعر نے فضول شوق میں مبتلا "ہوئے" کہکر انسان کو راہِ راست پر لانے کے سب طریقوں اور حربوں کو بے سود عمل قرار دیا ہے۔ تیسرے شعر میں شرارِ برق کی مناسبت سے شعلہ لب رنگ کی ترکیب کا کوئی جواب نہیں۔ آخری دو شعروں میں تلمیح کا استعمال غضب کا ہے۔ برگِ آوارہ کا یدِ بیضا لگنا اور قہر ساماں موسموں کی ابتدا ہونا ایک عذاب دہ صورت حال کا علامیہ ہے۔ آخری شعر میں "موج بے قابو"، "تیروں کی حفاظت"، "پھول جیسے لب" اور "تشنگی" ان الفاظ میں رعایت اور انسلاک کے ذریعے سے کربلا میں پیاس سے بلکتے ہوئے معصوموں کے کرب کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

رفیق راز نے جو الفاظ تشبیہات، استعارے اور علامتیں استعمال کی ہیں وہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس کے لئے عمیق مشاہدے، گہرے مطالعے اور

وسیع شعور کی ضرورت ہوتی ہے۔ رفیق رازؔ نے اپنے خیالات کی ترسیل کیلئے جس لسانی دروبست سے کام لیا ہے وہ ان کے گہرے لسانی شعور سے تخلیق ہوا ہے۔ انہوں نے بعض اوقات ایسے قوافی اور ردیفیں استعمال کی ہیں جن میں خیال کو اصلی صورت میں پیش کرنا بظاہر مشکل محسوس ہوتا ہے مگر رفیق رازؔ یہاں بھی سرفراز نظر آتے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

رہا ہے تیرے سوا دل میں اور کیا باقی
کہاں گئے وہ تمناو خواب یا باقی

سرخ سنگین ساعتوں میں اُتر
سرد صحرائے سبز گوں میں اُتر

لت پت ہیں خاک وخوں میں اشجار یا اخی
بے سائیگی کا گرم ہے بازار یا اخی

سرد آواز جا بجا شعلہ
کرب لفظ آب آشنا شعلہ

حبسِ دم سہہ نہ سکی فکر شرر آلودہ
وہی بے داغ سی خوشبو ہے مگر آلودہ

لرزتی شاخ، ہوا، اور پتیاں دو چار
کچھ ایسے قہر سے ہی ہم بھی ہیں میاں دو چار

غضب ہوا اس سال ہوا صحرا تقسیم
اب تو یہاں ہوگی ہر سال گھٹا تقسیم
بھیڑ بکریاں چوپان کُل من علیہا فان
خالی خالی سا میدان کل من علیہا دان

گم سم ہوں میں بھی مہر بلب صوفیوں کے بیچ
ٹھہرا ہوا ہوں جیسے گھنے جنگلوں کے بیچ

آپ ان غزلوں کا مطالعہ کیجئے۔ آپ ضرور محسوس کریں گے کہ اس قدر سخت قوافی اور ردیفوں کے باوجود رفیق رآز اپنے خیال کو ظاہر کرنے میں کسی بھی طرح سے قاصر یا معذور نہیں لگتے۔ بلکہ ایسا لگتا ہے جیسے " گرم چاقو مکھن میں رسان سے اترتا جاتا ہے"۔

رفیق رآز معاصر حالات پر نہ تبصرہ کرتے ہیں، نہ رائے دیتے ہیں اور نہ واویلا کرتے ہیں۔ وہ اپنے دور کے اقتدار کی شکست وریخت دیکھ کر بلبلا نہیں اٹھتے بلکہ زہر خندہ سے اپنے ردعمل کا اظہار کرتے ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ ان کی شعری کائینات کی ایک ایسی اساطیر سے تعبیر ہے جہاں کردار زندہ ہیں اور زمانے کے دکھ درد بھوگ رہے ہیں۔

نامرادی کا دھواں پھر چھا گیا دیوار و در پر
موسمِ بے چارگی میں یاد آئی پھر کسی کی

کچھ بھی نہیں ہے اب یہاں ناممکنات میں
اس شہرِ نامراد میں ایسا ہوا بھی ہے

مکاں بھی راکھ میں تبدیل ہو رہے تھے اور
ہوا بھی ناچ رہی تھی ترے اشاروں پر

فصیل شہر کے اندر ہے پیاس کا دریا
فصیل شہر کے باہر سراب رکھا ہے

ہمارے عہد میں پورا نہیں یہ ہونے کا
ہماری آنکھ میں کس نے یہ خواب رکھا ہے

رفیق راز کی فکر ایک ایسے آفتاب کے مانند ہے جس کے جلوے سے حیرت، استعجاب اور تحیر کے کئی عالم منور نظر آتے ہیں۔ جن کے مظاہر کا مشاہدہ تب تک ممکن نہیں جب تک کہ ان الفاظ اور تراکیب کے علامتی اور استعاراتی مفہوم تک رسائی نہ ہو۔ جو قدم قدم پر راہبری کرتے ہیں۔ رفیق راز کے خیالات میں ایک قسم کی تمکین کا احساس جگہ جگہ پر ہوتا ہے جو الفاظ سے ہم آہنگ ہو کر شعر کی معنوی

جہتوں میں اضافہ کرتی ہے۔ اور اگر ایسا نہیں ہوتا تو یہ شاعری انجماد کی شکار ہو جاتی۔ اس اعتبار سے رفیق رازؔ کا لسانی رویہ ایک ایسی شعری جمالیات تخلیق کرتا ہے جس میں خیال کی مناسبت اور رعایت کے ساتھ الفاظ اور تراکیب میں ایک قسم کا تقدس اور گداز پایا جاتا ہے۔

مرا وجود کہ اب تابناک منظر ہے
شعاعِ نور نے مجھ پر نگاہ ڈالی ہے

بدن پہ گنبدِ خضرا کا سبز سایہ ہے
جگر پہ روضہ اقدس کی نقش جالی ہے

اسکی چپ ہے یا کوئی پرنور خوشبو بے بسی کی
سوچتا ہوں یہ بھی کوئی شان ہوگی فقر ہی کی

خوشبوئے خموشی کا دفینہ ہوا حاصل
لفظوں میں اترنے کی روایت بھی نہیں ہے

خانہ خلوت کا ہے رنگِ فضا اور ہی
شاملِ انوار ہے ظلمت بیمار بھی

چپ چاپ ہے سنگ استعارہ
بے تاب ہے فکرِ آبشاری

تابناک منظر، شعاعِ نور، گنبدِ خضرا، سبز سایہ، روضہ اقدس۔ پرنور خوشبو، فقر، خوشبوئے خموشی کا دفینہ، خانہ خلوت، شاملِ انوار، فکرِ آبشاری ایسے علائم ہیں جو رفیق رازؔ کو روحانی تجربوں اور مشاہدات سے حاصل ہوئے ہیں۔ ان الفاظ اور تراکیب میں فکر کی مناسبت کے ساتھ جو پرسوز آہنگ وجود میں آتا ہے وہ رفیق رازؔ کی سکوتِ فکر میں زیر و بم پیدا کرتا ہے۔

/☆☆☆/

مبصر: احمد فیضان

انہار پر تبصرہ

رفیق رازؔ کا مجموعہ کلام "انہار" ۲۰۰۴ یعنی آج سے کوئی پانچ برس پہلے شائع ہوکر منظر عام پر آیا۔ یہ مجموعہ کلام صرف غزلوں پر مشتمل ہے اور اسکی سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس میں شمس الرحمٰن فاروقی، حامدی کاشمیری اور حکیم منظور جیسے معتبر قلم کاروں کی گراں قدر آرا فلیپ اور پیش لفظ کے طور پر موجود ہے۔

رفیق رازؔ اس مجموعہ کلام کی اشاعت کے قبل ہی اردو شعر و ادب کی دنیا میں پہچانے جانے لگے تھے اور "شب خون" میں کثرت سے شائع ہونے کے سبب لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں بھی کامیاب رہے تھے۔ اس مجموعہ کلام کی اشاعت نے ان کی شناخت اور پہچان کو مزید استحکام بخشا جس کے ذریعہ ناقدین اور قارئین کو ان کی انفرادیت اور اہمیت کا احساس ہوا۔ رفیق رازؔ اپنے ہم عصروں میں اس لحاظ سے سب سے نمایاں حیثیت اور مقام رکھتے ہیں کہ ان کی غزلوں میں ابتدا سے ہی لہجے اور رنگ کے اعتبار سے وہ پختگی اور برجستگی دکھائی دی جو شاعری کی دنیا میں ایک عمرِ خاص گذار کر حاصل کی جاتی ہے رفیق رازؔ کی غزلوں کا بنیادی اور خاص وصف یہ ہے کہ انہوں نے غزل کو اپنے عہد اور اس کے مسائل سے ہم آہنگ کرنے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے۔ ۸۰ کے بعد عام طور پر یا یوں کہیں کہ

بطور فیشن جدید لفظیات، استعارے اور علامات کے استعمال سے گریز کیا گیا اور دلیل یہ پیش کی گئی کہ غزل کو جدید لفظیات، استعارے اور علامات راس نہیں آرہے ہیں جس کے سبب اس کی سادگی اور مٹھاس خطرے میں پڑگئی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۸۰ کے بعد کی غزل عام طور پر جس سطحیت او بھونڈے پن کا شکار ہوئی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ نئی نسل کی شناخت کے نام پر ایسے ایسے شاعروں کی دھوم ہوئی جن کے شعروں میں معنوی تہہ داری تو درکنار لہجے میں تمکنت بھی نہ تھی وہ تو بھلا ہو رفیق راز اور ان جیسے اکادکا نوجوان شاعروں کا جنہوں نے ۸۰ کے بعد اٹھائے گئے شور و غل سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے پوری سنجیدگی کے ساتھ اپنی تخلیقی دنیا میں مگن رہ کر غزل کو بالکل بازاری چیز ہونے سے محفوظ رکھا۔ ان کے مجموعہ کلام سے بغیر کسی شعوری انتخاب کے میں دو چار شعر درج کرتا ہوں تا کہ ان کے لہجے اور ان کے شعور کی پختگی اور انفرادیت کا کسی حد تک اندازہ لگایا جاسکے۔

اس چشم نیم باز کے صحراؤں میں بھی اب
ملتے نہیں ہیں خواب کے آثار یا اخی

اب کے بھی ملاقات پر اسرار نہ ہو جائے
خاموشی کہیں شاملِ گفتار نہ ہو جائے

رکتا ہوں ہر اک موڑ پہ آنکھوں میں لیے دھوپ
ڈرتا ہوں وہی نقش نمودار نہ ہو جائے

ساحلی لوگ انہیں روزنوں سے تکتے رہے
لکھ کے موجوں پہ وہ روداِدِ سفر آئے تھے

کچھ تو اس کے ہونے کی ہر طرف خبر پھیلے
اے ہوائے صحرائی خاک ہی اڑا اس کی

مندرجہ بالا اشعار رفیق رازؔ کے نوعمر (شعر کی تخلیق سے مجوعہ کی اشاعت تک) ہونے کے باوجود ایک کہنہ مشق شاعر ہونے کی دلیل پیش کرتے ہیں۔ غزل ۱۹۶۰ کے بعد جن تبدیلیوں اور اونچائیوں سے ہم کنار ہوئی۔ مجھے خوشی ہے کہ رفیق رازؔ نے ان تبدیلیوں کی پاسداری کرتے ہوئے اپنی غزلوں میں اس کے وقار کو بحال رکھنے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے اور مزید کوشش یہ کی ہے کہ غزل ان کی اپنی نسل سے وہی تعلق قائم کر سکے جو تعلق اس کا اپنے پڑھنے والوں سے ترقی پسند تحریک سے قبل تک قائم تھا۔ ان کی شاعری کی اہمیت اور انفرادیت کا اعتراف کرتے ہوئے حامدی کاشمیریؔ صاحب فلیپ پر رقم طراز ہیں کہ:

"رفیق راز کو بلا شبہ نئی نسل کے ان شعرا میں شامل کیا جا سکتا ہے جو آزادیِ فکر اور طلب و جستجو کو اپنا شعار بناتے ہیں اور یہ کام صنف غزل کے مسلمہ لوازم و آداب کی پاسداری کرتے ہوئے بھی انجام دینے کی سعی کرتے ہیں، نتیجہ انکی آواز صدائے بازگشت ہو کر یا گم ہو کر نہیں رہ جاتی، بلکہ اپنے منفرد ہونے کا گہرا تاثر پیدا کرتی ہے۔"

میں دو چار شعر اپنے پسند کے درج کرنے کے بعد اس مجموعہ کلام کے مطالعے اور اس پر اپنی ذاتی رائے قائم کرنے کی ذمہ داری آپ پر چھوڑتا ہوں۔

لوٹے گئے ہیں جب سے مسافر خیال کے
سنسان ہو گئے ہیں بیاباں وجود کے

پیاس بجھے گی مری کتنے سرابوں کے بعد
اور ہیں کتنے سفر تیرے مرے درمیاں

موج ہوا نہ رقص درختاں نہ ابر نم
موسم بہت خراب ہے اس پار یا اخی

مکاں بھی راکھ میں تبدیل ہو رہے تھے اور
ہوا بھی ناچ رہی تھی ترے اشاروں پر

جس کی تلاش ہے تجھے حرفوں کے درمیاں
وہ لمحہ محو رقص ہے صدیوں کے درمیاں

نہ جانے اگلی منزل کیسی ہوگی
پریشاں حال ہے یہ راستہ بھی

☆☆☆☆☆

بشکریہ "نئی صدی"، وارانسی، یوپی۔

اشرف آثاری

رفیق راز فکر وفن کے آئینہ میں

اردو زبان کے قد آور اور معتبر نقادوں اور شاعروں پروفیسر حامدی کاشمیری اور شمس الرحمٰن فاروقی نے رفیق راز کے منفرد لب و لہجے، اسلوب وطرز بیان، امتیازی اور مستحکم حیثیت ذروایت کے گہرے شعور، جدت کاری، الفاظ کی اداشناسی، تخلیقی برتاؤ فہم و ذکاوت، شعری تجربات کے تنوع، صنف غزل کے مسلمہ لوازمات و آداب کی پاسداری، غزل کے لسانی برتاؤ، شعری حسیت، فکری آہنگ، افکار ولہجہ کی تمکنیت وپختگی، انفرادی محسوسیات ومشاہدات کوشعری قالب میں غیر رسمی رویہ کے تناظر میں ڈھالنے کی صلاحیت وغیرہ پر رفیق رازؔ پر لکھے گئے اپنے مضامین میں خوب بحث کی ہے۔ اور رفیق رازؔ کو اردو کی نئ نسل سے تعلق رکھنے والا ایک رمز شناس، منفرد وحساس شاعر قرار دیا ہے جس کا اپنا ایک الگ فکری آہنگ ہے اور جو شعر کے تقاضوں کو باقی تمام چیزوں پر مقدم رکھتا ہے۔ اور ایک معتبر ومعروف شاعر ونقاد مرحوم حکیم منظور، رفیق راز کو ایک مکمل شاعر قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ رفیق راز جو الفاظ بروئے کار لاتے ہیں ان کے معنی یک سطحی نہیں بلکہ ہمہ سطحی ہوتے ہیں

جو ان کے مطابق اچھی شاعری کا ایک وصف ہے کہ ان کی شاعری جمالیاتی اور حسیاتی سطح پر قاری کی نگاہ و دل میں ایک خوشگوار ارتعاش پیدا کرنے کا موجب بنتی ہے جس سے کچھ سوچنے اور مختلف انداز میں سوچنے کا عمل انگیخت ہوتا ہے۔ مرحوم حکیم منظور کے مطابق رفیق راز پوری طرح سے اس زمرے سے واقف ہیں کہ انہیں کیا کہنا چاہئے! کیسے کہنا چاہئے اور کیوں کہنا چاہئے؟ ظاہر بات ہے کہ رفیق راز کے فکروفن کے متعلق اردو زبان وادب کے ان تین سرکردہ اور معتبر اشخاص کی رائے کے بعد کسی دوسرے شخص کیلئے کچھ کہنے کی گنجائش کہاں باقی رہ جاتی ہے کہ رفیق راز کی اردو شاعری کو زیر بحث لائے اور اس پر تبصرہ بھی کرے؟ لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ کسی بھی زبان کا معیاری ادب اور ادن پارے ہمہ جہت ہوتے ہیں جن پر ہر ادب شناس اپنے اپنے زاویۂ نگاہ اور استطاعت کے مطابق بات کرنے یا اظہار رائے کا حق محفوظ رکھتا ہے کیونکہ تحقیق وتنقید کے دروازے کبھی بند نہیں ہوتے! ہر تخلیق کو ہر دور میں الگ الگ پیمانوں سے ماپا جاسکتا ہے اور تنقید کی کسوٹی پر کس کر دیکھا جاسکتا ہے تا کہ اس کے محاسن و معائب کو گزرتے ہوئے وقت کے تقاضوں کی روشنی میں منظر عام پر لایا جاسکے اور نئے نئے امکانات کو تلاش کیا جاسکے۔ پرکھنے اور جانچنے کا عمل جاری رہتا ہے ختم نہیں ہوتا ہے۔

کشمیر کے اردو شعراء کی صف میں رفیق راز کا نام ایک اہم اور نمائندہ نام ہے۔ ملکی سطح پر بھی جدید اردو غزل کے تناظر سے رفیق راز کو پہچانا جاتا ہے۔ میں کوئی مستند نقاد تو نہیں لیکن ایک طرح سے رفیق راز کا ہمعصر و ہم عمر ہوں۔ میرے خیال میں ان کی شخصیت وفن پر تفصیل کے ساتھ وہ لوگ بھی غیر جانبداری کے ساتھ لکھ سکتے ہیں جنہوں نے ان کے کلام کو پڑھا ہو اور جو ان کے شاعرانہ مزاج

سے بخوبی واقف بھی ہوں اور ان کے ذہنی اور فکری میلانات کا ادراک حاصل کیا ہو اور ان کے افکار و خیالات کا بغور جائزہ لیا ہو کہ ان کے فکر و فن پر آزادانہ اظہار خیال کر سکیں۔

میں نے رفیق راز کو کشمیر یونیورسٹی میں زیر تعلیم رہنے کے دوران، ریڈیو کشمیر کی یووا وانی سروس کے جاری ہوتے ہی اردو مشاعروں میں

ہوگی رفیق راز سے مڈ بھیڑ ہر جگہ

چرچا مگر کلاس میں اس کا نہ کیجئے

جیسے اشعار سناتے ہوئے بھی سنا ہے اس لئے اگر میں یہ کہوں کہ ان کے آج تک کے پورے مشاہدے کے بعد میں نے ان کی شاعری میں ندرتِ خیال کی گہرائی و گیرائی، غور و فکر کیلئے عمدہ اور اعلیٰ مواد، روانی کے ساتھ فصاحت و بلاغت اور مقصدیت، تخلیقی صلاحیتوں کی قابلیت و بھرپور اظہار رائے کی آزادی، اردو غزل کی زبان و تکنیک پر خاصی مہارت و مکمل دسترس کا بخوبی مشاہدہ کیا ہے۔

اشعار کے مضامین کے انتخاب میں انہیں واقعی مہارت حاصل ہے ان کا کلام پڑھ کر ان کے تنقیدی شعور کا بھی بخوبی پتہ چلتا ہے اور ان کی تخلیقی و تنقیدی صلاحیتیں خود بخود اجاگر ہو جاتی ہیں اور اس نات کا اندازہ ہو جات ہے کہ کسی تحریک یا ازم کے ساتھ انہیں منسوب کرنے کے بغیر ہی ان کا جدید اور توانا انداز فکر، فکر و فن کس طرح سنجیدہ اردو شاعری کے ہر قاری کو دعوت فکر دیتا ہے اور کس طرح ان کا ہر شعر ان کے حساس، دل و ذہن کی آواز بن کر، ان کے جذبے کی بھرپور اور موثر ترجمانی کرتا ہوا تجربات و مشاہدات کا ایک اچھا اور خوبصورت امتزاج ہے کہ ان کے اندر جو جمال و جلال ہے وہ کس ہنر مندی اور شگفتہ بیانی کے ساتھ اسے کاغذ پر اتارنے

میں کامیاب ہو جاتے ہیں وہ بھی اپنی مخصوص چھاپ کے ساتھ کہ اشعار تمام ترفنی اور فکری نزاکتوں کے ساتھ، ذہنی افق پر جلوہ افروز ہو جاتے ہیں۔

رفیق رآز کی شاعری میں استقامت ولگنہے ہر چند کہ غم حیات و کائنات نے ان سے مسرت و شادمانی اور تمکینیت چھین بھی لی ہے کہ انہیں فرحت و خوشی اور انبساط کا شاعر نہیں کہا جا سکتا بلکہ ان کا میدان طبع حزن وملال کی طرف زیادہ مائل ہے اور بقولِ میر تقی میر کے۔

دردوغم کتنے کئے جمع تو دیوان کیا۔

رفیق راز کی شاعری اپنے آس پڑوس کے ماحول سے لازمی طور پر متاثر ہونے والی شاعری ہے اور ہونی بھی چاہئے۔ پچھلی دودہائیوں سے چلے آرہے نامساعد حالات اور دلدوز واقعات کا عکس اور ان واقعات کی کسک روحِ شاعر میں بہت گہرائی تک محسوس کی جاسکتی ہے کہ اس کا اظہار بھی کرن انگیز ہے اور لہجہ بھی سوز اور دردناک ہے جو واقعی اس بات کا غماز ہے کہ ان کی شاعری عصری شعور کا بھرپور احساس رکھتی ہے۔

لت پت ہیں خاک وخون میں اشجار یا اخی
بے سائیگی کا گرم ہے بازار یا اخی
موجِ ہوا نہ رقص درختاں نہ ابر نم!
موسم نہت خراب ہے اس پار یا اخی

کرفیو لگا اور گھر میں پاؤں جور کھا
سامنے تنہائیوں کی فوج کھڑی تھی

ہڑتال ہے، فساد ہے، کرفیو ہے، بند ہے
کیا کیا ہیں میرے ہجر کے اسباب شہر میں

کیا وہیں نخل ثمردار اُگ آئیں گے
آ گیا ہوں میں شہیدوں کو جہاں بوکر

سپرد خاک ہوئے آج بھی کئی معصوم
سپرد نار ہوئیں کل بھی بستیاں دو چار
بس ایک تیغ تھی اس کی جورن میں ٹوٹ گئی
شہید چھوڑ گیا صرف بیٹیاں دو چار

ہمارے خون کی خوشبو کہ جاگ اُٹھے گی
معطر اس سے یہ اکیسویں صدی ہوگی

رفیق رازؔ کے اندر جو حساس شاعر چھپا بیٹھا ہے بدلتے وقت کے ساتھ اس کا گہرا رشتہ ہے۔ اس نے بدلتے حالات کے کسی بھی موڑ پر انسانی سماج سے اپنا گہرا اور مستحکم رشتہ ٹوٹنے نہیں دیا نہ اس سے کسی بھی طرح بیگانہ ہی رہا۔ دکھ درد نے اس کے لہجے میں کرختگی و تیکھاپن بھی پیدا کر دیا لیکن اس تیکھے پن اور کرختگی کے پیچھے انسان دوستی کا جذبہ صاف طور پر کارفرما نظر آتا ہے جو اس کے جذبے کی سچائی اور اس کے اندر موجود بے لوث خلوص و محبت کی غمازی کرتا ہے۔ کہ وہ قلم کی تلوار سے

بڑے بڑے معرکے سر کرتا ہوا اپنے جمالیاتی ذوق کو صحیح معنوں میں استعمال کر کے شاعری کے سانچے میں ڈھال رہا ہے۔

پانی پہ ایک نقش کے مانند ہے وہ
رگ رگ میں زہرِ فکر سا پھیلا ہوا بھی ہے

کچھ بھی نہیں ہے اب یہاں ناممکنات میں
اس شہر نامراد میں ایسا ہوا بھی ہے

دشتِ گمان زرد میں کس نے یہ لکھ دیا
دریائے ریگ سبز کہ بہتا ہوا بھی ہے

جھلسا ہوا ہے جسم کا سایہ بھی جسم بھی
گرتی نہیں ہے دھوپ کی دیوار یا اخی

منظر تمام اب کے ہیں نایاب شہر میں
آیا ہوا ہے دھند کا سیلاب شہر میں

میں کوہسار زرد ہوں تم گلشنِ ارم
کرتی ہے مجھ کو تم سے جدا آبنائے خواب

کوئی سرگوشی نہیں ہے سرسراہٹ بھی نہیں
گہرا سناٹا ہے کوئی حادثہ ہونے کو ہے

کوشش قیامِ امن کی ناکام ہوگئی
ہر لفظ تھا خلوص سے خالی سفیر کا

تو نے سب کچھ خاکستر ہی کر ڈالا
یہ خصلت تو آگ میں پائی جاتی ہے

وادیٔ احساس میں اس سال بھی کیوں ہوگئے
آتشیں سائے چناروں کے ستمبر میں سیاہ

سوچوں نہیں تو سوچ مری تودۂ سیاہ
سوچوں تو پھوٹتا ہے کوئی چشمۂ سیاہ

بارانِ رنگ ونور کی عریانیوں کے بیچ
میں نے رفیق راؔز کیا منتخب سیاہ

رفیق راز نے مختلف رنگوں، سبز، سرخ، زرد، سفید وسیاہ کے التزام سے مختلف مطالیب ومعانی نکالے ہیں اور اپنے شعری مجموعہ "انہار کے آخر میں کافی غزلیں سیاہ وسیہ کی ردیف سے کہی ہیں جو ایک اچھی اور انفرادی کوشش ہے جس سے ان الفاظ کے محدود معنی کے باوجود بھی ایک ہی لفظ کو لا تعداد صورتوں اور مفاہیم میں بڑی ہی مہارت و چابکدستی کے ساتھ استعمال میں لانے کی ان کی قابلیت وہنر

مندی اورزبان وبیان پران کی قدرت کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہےاوران کے پاس موجودذخیرۂ الفاظ کےوسعت معانی کا بھی پتہ چلتا ہے۔

رفیق رازؔ کے اندازِ بیان میں کافی لوچ اور لچک موجود ہےاور فکرمیں وسعت وگہرائی ہے۔ اپنے عمیق تجربات ومشاہدات سے طبیعت کی رنگا رنگی اور جدّت آفرینی سے جواشعارتراش لیتے ہیں فنی لوازمات وروایات کا احترام وپاسداری کرتے ہوئے اردوشاعری ، خاص طور پر صِنف غزل کے ایک ایک گوشے کومنور کرتے ہوئے نظرآتے ہیں۔اشعارکو نئے اوردلکش عروضی سانچوں میں ڈھال کرو الفاظ وتراکیب اوراستعاروں کو نئے نئے مفاہیم ومعنی سے ہمکنار بھی کرتے ہیں اورمعانی میں ، اس بات کے باوجود بھی ، کہ ان کا لہجہ قدرے فلسفیانہ ہے کافی گہرائی وگیرائی بھی پیدا کردیتے ہیں۔

رفیق رازؔ نے اردوغزل میں ، خاص طور پراپنی انفرادیت کے گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔غزل کوحسبِ المقدورآگے بڑھانے کی کوشش بھی کی ہے۔تجربات ومشاہدات کی نئی نئی وادیوں کی سیر بھی کرائی ہےاورغزل گوئی میں اپنا ایک خاص مقام بھی بنایا ہے۔ معاصر شعراء سے اثرات قبول کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ یہ ناگزیر بھی ہے کہ ہرشاعراپنے دور کے اپنے معاصرین سے اثرات قبول کر لیتا ہے۔ خاص طور پر جواس کے پسندیدہ اور نمایاں حیثیت رکھنے والے شعراء ہوں۔اثرات قبول کرنا اور ہو بہوتقلید کرنا دوالگ الگ چیزیں ہیں۔رفیق رازؔ نے بھی اپنے معاصرین سے اثرات قبول کئے ہیں لیکن اپنی شناخت گم نہیں ہونے دی ہے بلکہ اسے برقرار رکھا ہے اوراپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بیدار کرنے کی حدتک دوسروں سے استفادہ کیا ہے۔

رفیق راز کی شاعری یک رخی شاعری نہیں بلکہ ہمہ رخی اور تہہ دار شاعری ہے۔ یہی حال ان کے الفاظ کے Context کا ہے کہ الگ الگ جہات میں انہیں استعمال میں لاتے ہیں کہ باطنی اور داخلی تجربات کی ترجمانی کر سکیں اور ابہام کی خوبصورت وادیوں سے گذر کر مرکزی معنویت و تاثر کی ترسیل میں معاون بن سکیں۔

رفیق راز اپنے آس پاس اور گردوپیش کے ماحول اور محرکات سے اپنے موضوعات تلاش واخذ کرتے ہیں۔ ان کے تجربات ہیں اگر کہیں پر اپنے معاصر شعراء کے تجربات ومشاہدات مماثلت ومشابہت یا یگانگت بھی ہے اس کے باوجود بھی وہ اپنی ایک الگ پہچان وشناخت اور تشخص قائم رکھنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ ہر خیال اور شعری تجربہ پر دوسروں سے ہم آہنگی کے باوجود بھی ان کی منفرد و مخصوص چھاپ صاف اور واضح طور پر نظر آتی ہے۔ ان کی غزلوں میں اظہار و بیان کے نئے نئے میلانات تلاش کئے جاسکتے ہیں۔ ان کے ہاں موضوعات کی حصار بندی بھی نہیں ہے ان کے خیالات وموضوعات اردو غزل کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں۔ اس طرح سے ان کی شاعری میں تنوع بھی ہے وسعت و ہمہ گیری بھی ہے۔ خاص طور پر فنی، فکری اور لسانی اعتبار سے جو انہیں جدید اردو غزل گو شعراء میں ایک انفرادی امتیاز سے ہمکنار کرتی ہے۔ ان کے منفرد، محاوراتی، علامتی و استعاراتی اسلوب و طرز فکر نے ان کے الفاظ ومعانی، فکر خیال، لب و لہجے اور مواد کو ان کی پہچان بنادیا ہے۔ خاص طور پر ان کی غزلوں میں کثرت سے استعمال میں آنے والے مندرجہ ذیل علامتی الفاظ وتراکیب نظر آتے ہیں۔ لمس، پیاس، دھواں، وحشت، ہست و بود، خون آلود، شعلہ ابدِ تند، شررِ خاک وخون، محشرستان، صحرائے

وحشت ناک، بیابان، بوسۂ برق، نخل حیراں، دشتِ خواب، برفیلے جزیرے، سراسیمہ آیت، تاریک خانۂ ظلمت، نخل نظر، موسم حیرت، خزاں رسیدہ، چشم شرر، یخ بستگی، مظہرِ امکان، جلوۂ حیرت، شعلہ اسرار، خاکِ تمنائے دید، بارشِ حسرت، دشتِ دروں، سرحد حشر، شعلۂ لمس، سرسبز صداؤں، شہر بے روح، پردۂ چشم غضب ناک، طائرانِ شبِ ظلمت، آتشیں پیڑ، خموشی کا زہر، تصویر بیاباں، موسمِ غیب، شاخِ لرزیدہ، دشتِ بینائی، قافلۂ خواب، تابش افکار، تیرگی یاس، حروف سبز، قبائے ابر، ہوائے بے حواس، آتشِ ہراس، مناظر شرار، حبس دم، فکر شرر، صدرنگ صدا، سیلابِ ہفت رنگ، بلادِ جاں، ردائے آب، آفتابی جلال، نوائے زرد، دیوارِ شب، بحرِ فنا، چشمۂ شعاع، وادئ برقِ فنا، درد یلی خوشبوئیں، پیکرِ شعاع، ندائے عدم وغیرہ۔

رفیق رازؔ کی غزلوں کا ہر شعر انتخاب کا شعر ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار کی طرح ہی۔

بہت گھسیٹا اسے میں نے داستانوں میں
میں کیا بلا ہوں پری دل میں سوچتی ہوگی

ہوا کے ہاتھ میں خوشبو ہی بھیجنا اپنی
رکھوں گا کھول کے میں گھر کی کھڑکیاں دو چار

اب پڑھے جانے لگے ہیں غور سے اشعار میرے
جانے اس نے بات ایسی کیا لکھی ہے تبصرے میں

نہ ملتا ہے کسی خوشبو کو تیری سانس کا رتبہ
نہ کوئی لمس بن جاتا ہے پیکر شام ہوتے ہی

پتے ہوئے سراب فلک پر ہے داغ بھر
اک لختِ ابرِ تر کہ برستا ہوا بھی ہے

الغرض رفیق راز جس سبک رفتاری کے ساتھ دبستانِ اردو شاعری میں اطمینان وخوداعتمادی کے ساتھ اپنے قدم بڑھا رہے ہیں وہ انہیں ضرور اس خوشگوار وارفع مقام تک لے جانے میں معاون و مددگار ثابت ہورہی ہے جس کی انہیں تلاش ہے۔ اس بات کے باوجود بھی کہ انہوں نے منزل تک پہنچنے کیلئے جس پگڈنڈی کا انتخاب کیا ہے وہ پگڈنڈی حزن و ملال اور غم و اندہ کے نوکیلے کیل کانٹوں سے بھری ہوئی اور لیس ہے۔

☆☆☆☆☆☆

مشاہیر کے خطوط

رفیق رازؔ کے نام

(مشتے از خروارے)

کاوش بدری

ہیچمدان اور ناچیز فقیر حقیر کے نام آپ نے منظرِ فردوس "انہار" ارسال فرما کر ایک دوزخمی کو جنت کم سے کم اس دنیا میں عطا فرمایا۔ غور وفکر عبادت عظمیٰ ہے۔ کشمیری زبان میں سوچکر غزلیہ شاعری کرنے سے آپ کی غزلوں میں غزالوں کا چلن آ گیا ہے۔ پروفیسر کلیم الدین احمد نے غزل کو نیم وحشی صنف قرار دینے میں کوئی غلطی نہیں کی۔ عربی زبان کا ایک مقولہ "العلم وحشی" ہے۔ علم کے وحشی جانور کو اپنے کنٹرول میں لاکر اسے ایسا سدھانا چاہیئے کہ وہ مکمل مہذب بن جائے۔ اقبال کا ایک مصرع ہے۔

"میرے مولا مجھے صاحب جنون کر"

سالکِ مجذوب عظیم انسان ہوتا ہے۔ جنت سکونِ قلب کی آماجگاہ ہے اور صحبتِ صوفیا کروڑوں سال کی عبادت پر بھاری ہے۔ آپ کا ذیلی شعر پڑھ کر تڑپ گیا۔

گم سم ہوں میں بھی مہر بلب صوفیوں کے بیچ
ٹھہرا ہوا ہوں جیسے گھنے جنگلوں کے بیچ۔

مہر بلب رہنا اسکوت معراج المومنین کے مترادف ہے۔ کسی بھی نقاد نے اعلیٰ شاعری نہیں کی۔ لہٰذا آپ کی غزلیہ شاعری آپ کے حامدی کاشمیری سے بہت بہت دلآویز ہے۔ جو اللہ کو جان لیتا ہے اسکی زبان گنگ ہو جاتی ہے۔ آپ کے یہ شعر

قابلِ دید ہے حقیر کی چپ
اک شعاع فلک نوردسی ہے

آپ کے گہرے احساسات نے غزل کی چادر اوڑلی ہے۔ آپ کی ہر غزل پتہ دے رہی ہے کہ آپ کشمیری ہیں مگر سب میں رہ کر سب سے الگ اور سب سے جدا۔ آپ کے دیوان میں لیل ونہار کا سنجوگ ہے۔ آپ کی نذر ناچیز کا یہ شعر ہے۔

نظر آتی نہیں جب آنکھ سے نزدیک ہوتی ہے
اندھیروں سے زیادہ روشنی تاریک ہوتی ہے

آپ کے دیوان کے بے شمار شعر پسند آئے۔

/☆☆☆/

نامی انصاری

آپ کی غزلیں فکراور اسلوب دونوں زاویوں سے سجی ہوئی لگتی ہیں۔ جن میں اظہار کی پختگی بہت نمایاں ہے۔ غزل کے جس لہجے کو شب خون نے بڑھاوادیا ہے وہ آپ کی غزلوں سے بھی آشکار ہے ۔ لیکن اس کے علاوہ بھی کہیں کہیں ایسے اشعار مل جاتے ہیں جن میں لطف واثر بھی ہے اور دل میں اتر جانے والی کیفیت بھی۔ مثلاً

پیاس بجھے گی میری کتنے سرابوں کے بعد
اور ہیں کتنے سفر میرے ترے درمیاں

فصیل شہر کے اندر ہے پیاس کا دریا
فصیل شہر کے باہر سراب رکھا ہے

آپ کی غزلوں میں تازگی اور تازہ کاری کی صفت بہت نمایاں ہے۔ آپ کا اسلوب بھی نیا معلوم ہوتا ہے اور اشعار میں بندش کی چشتی بھی قابلِ تحسین ہے۔

ابھی تو آنکھ ہے جلوہ حیرت
ابھی زمین ہے تھوڑی سی زیرِ پا باقی

کیا خوب شعر ہے۔ بہت پسند آیا۔

انہار کی آخری 25 غزلوں کی ردیف سیہ/ سیاہ ہے۔ اس میں کیا راز ہے۔ یہ تو رفیق راز ہی جانتے ہوں گے۔ تاہم اس سے شاعر کے خلاق ذہن کا کچھ نہ کچھ اندازہ تو ہوتا ہی ہے۔ کلام میں فکر کی بالیدگی بہت نمایاں ہے۔ جس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔

/☆☆☆/

عبدالاحد ساز

آپ کو رسائل میں عرصے سے پڑھا ہے اور آپ کے کلام کی اہمیت سے آگاہ بھی ہوں۔ اب بالاستیعاب پڑھنے کی کیفیت دوسری ہی ہوگی۔ سرسری ورق گردانی میں بھی کئی اشعار پر نظر ٹھہرتی گئی اور غور سے پڑھنے کا ادعا مضبوط تر ہو گیا۔ مثلاً یہ دو شعر:

مایوس نہ ہو غور کرو اور ذرا سا
موجود ہوں تصویرِ بیاباں میں ہوا سا

لمس کے سیلاب کی رفتار بھی کچھ تیز ہے
جسم کی دیوارِ مرمر بھی ذرا بوسیدہ ہے

حامدِ کاشمیری صاحب کا یہ جملہ آپ کی شاعری سے قربت کی اک سمت فراہم کرتا ہے کہ "یہ آواز مقامی تہذیبی نور و نغمہ برومند ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

/☆☆☆/

شمس الرحمٰن فاروقی صاحب

غزلیں بہت اچھی ہے اور میں نے سب کو اشاعت کے لئے رکھ لیا ہے۔ آپ نے ایک غزل میرے نام منسوب کی ہے اسکے لئے آپ کا شکر گذار ہوں۔ لیکن اس کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ جب آپ نے میرا مصرع میرے نام کے ساتھ استعمال کرلیا تو مزید اعزاز غیر ضروری تھا۔ بہر حال آپ کا شکر گذار ہوں۔ کتاب بھی مل گئی ہے۔ بہت خوب ہے۔ مبارک باد۔

/☆☆☆/

باقر مہدی

آپ کا شعری مجموعہ ملا شکریہ۔ دو شعر میں نے بھی لکھے ہیں ملاحظہ ہوں۔

رفیق رازؔ کی غزلوں کو پڑھ کر ایسا لگا
کہ میرا ذکر بھی شعروں میں ڈھل گیا آخر

جسے میں ڈھونڈ رہا تھا پرانے شہروں میں
وہ گاؤں بھی تو ملا مجھکو میرے دل قریں

آپ کے اشعار توجہ سے پڑھے لطف آیا امید ہے کہ آپ جلد ہی غزل کے دائرے سے نکل کر آگے جائیں گے۔

/☆☆☆/

ابولکلام قاسمی

آپ سے براہِ راست ملاقات شاید ایک بار ہوئی ہے۔ وہ بھی سرسری۔ آپ کی شاعری سے تعارف دیرینہ ہے۔ اور مسلسل آپ کی غزلوں سے رابطہ رہا ہے۔ مجھے آپ کی شاعری یوں بھی اچھی لگتی ہے اور پورا مجموعہ "انہار" پڑھنے کے بعد تو بھرپور تاثر اور مکمل سیاق وسباق سے واقف ہوا ہوں۔

بلا شبہ یہ مجموعہ ہمارے زمانے کی غزلیہ شاعری کے افق پر ایک نئی اور خوشگوار جہت کا اضافہ ہے۔ دیر سے سہی مگر ہر رنگ کی نمایندگی کرنے والا یہ مجموعہ خاصی مقبولیت حاصل کرے گا۔

آپ کی شاعری میں فن سے انصاف اور فکر سے گہری رغبت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ میری طرف سے مبارکباد قبول کریں۔ امید یہ مجموعہ آیندہ میرے کام آتا رہے گا۔

/☆☆☆/

نیر مسعود

آپ کا مجموعہ "انہار" وصول ہوا۔ شکریہ۔ میں فالج کی وجہ سے تفصیلی رائے دینے سے معذور ہوں۔ لیکن کلام سے لطف اٹھایا۔ حامدی کشمیری صاحب اور شمس الرحمٰن فاروقی صاحب نے آپ کے کلام پر جو کچھ لکھا ہے۔ اس سے متفق ہوں۔

/☆☆☆/

رؤف خیر

آپ کی غزلیں زیادہ تر میں نے شب خون ہی میں پڑھیں۔ دیگر رسائل میں بھی پڑھیں مگر کم کم۔ جب کبھی آپ کی غزل دیکھی آپ کی دسترس فکر اور زبان و بیان کی قدرت کے مزے لیتا رہا۔ کچھ لوگ فکر و فن پر دسترس نہیں رکھتے اور کچھ زبان و بیان سے کھلواڑ کیا کرتے ہیں۔ یوں ادب کے ساتھ ساتھ خود اپنا مذاق اڑاتے ہیں۔ آپ جس خطے سے وابستہ ہیں وہ کبھی جنتِ ارضی کہلاتا تھا آج تو آدم کیلئے آزمائشوں کا جہنم ہے۔

آپ کے مجموعے کا نام مجھے بہت پسند آیا۔ "انہار" کلام پاک میں جنتوں کے ذکر کے ساتھ تحت الانہار بھی آتا ہے۔ یہ نام انسانی پیاس کی آخری پناہ گاہ۔ آخری سرچشمہ ہی تو ہے۔ نام اور پھر ٹائٹل کا حسن آپ کی خوش مذاقی کا ثبوت ہے۔

خود اپنے دھیان میں گم سم پڑے رہنا یہ پہروں
ادا خودکشی تو ہے، خود آگاہی نہیں ہے

وہ شب کہ لوگ سارے پتلے تھے حیرتوں کے
ہر سمت وا ہوئے تھے دروازے رحمتوں کے

یہ پھول ایسے چہرے یہ جھیل جیسی آنکھیں
بر فیلے جنگلوں میں شعلے بغاوتوں کے

سنگو شجر ہمارے قہر ہوا کیز دمیں
دیوار و در ہمارے منظر قیامتوں کے

لرزتی شاخ، ہوا اور پتیاں دو چار
کچھ ایسے قہر سے ہی ہم بھی ہیں میاں دو چار

سپرد خاک ہوئے آج بھی کئی معصوم
سپرد نار ہوئیں کل بھی بستیاں دو چار

سیاہ/ سیہ دریف والی غزلیں آپ کی فکر روشن سے مملو ہیں۔ یہ غزلیں اور ایسے ہی بے شمار شعر کوئی اور کہہ ہی سکتا تھا۔

حیرت میں ہیں ستارے سپہر کبود کے
ہیں منکشف جو آج فضائل درود کے

روشن ہے کیسی آگ اندھیروں کے درمیان
اطراف میں چمک نہیں چشمِ حسود کے

غیر متداول بحروں میں بھی آپ ثابت قدمی سے پار اترتے ہیں۔

/☆☆☆/

زاہدہ زیدی

آپ کی شاعری کا مجموعہ "انہار" کچھ دن پہلے موصول ہوا تھا۔ شکریہ اور مبارکباد۔ کتاب میری بیڈ سائڈ ٹیبل پر ہی رہی اور میں جستہ جستہ پڑھتی بھی رہی۔ اور آخر کار سب غزلوں کا مطالعہ کرلیا ہے۔

ان پر مختصر طور پر اظہار خیال مشکل ہے اور تفصیل سے لکھنے کیلئے بہت وقت چاہیئے جو میرے پاس نہیں ہے۔ آپ کی غزلیں تو پچھلے دس بارہ سالوں سے نظر سے گزرتی رہی ہیں اور میں نے اپنے ایک مضمون "عصری غزل کا منظر نامہ" میں آپ کے ایک دو شعر Quote بھی کئے تھے۔ یہ مضمون دس، بارہ سال پہلے لکھا گیا تھا۔ بہرطور آپ کا مجموعہ دیکھ کر خوشی ہوئی۔ جسے بڑے اہتمام سے شائع کیا گیا ہے۔ حامدی کاشمیری صاحب اور شمس الرحمٰن فاروقی صاحب نے آپ کے کلام اور شعری صلاحیتوں پر جو اظہار رائے کیا ہے اس سے میں بڑی حد تک متفق ہوں۔ ساتھ ہی مجھے یہ بھی محسوس ہوا کہ آپ کی شاعری میں کشمیر کے پس منظر کا ایک عکس بھی ہے۔ اس کے حسن و جمال اور شادابی کا بھی اور اس کے درد وکرب کا بھی۔ اگر چہ اس احساس پر آپ کی فنکاری حاوی ہے اور مجموعی طور پر آپ کا رویہ رجائی ہے جس میں زندگی سے لطف اندوزی کا جذبہ نمایاں ہے۔ آپ کے اکثر اشعار تو دل و دماغ کو چھو لیتے ہیں لیکن کہیں یہ بھی احساس ہوتا ہے کہ آپ نے

صرف شعر کہنے کی خاطر شعر کہے ہیں لیکن ان کی چمک دمک مصنوعی ہے۔ بہر طور اس بات سے انکار نہیں کہ آپ نے غزل کے وسیع میدان کی سیاحت کی جدو جہد کی ہے اور اس میں اپنا راستہ تلاش کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ آپ کی شاعری میں مذہبی جذبہ بھی خاصا نمایاں ہے۔ حالیہ برسوں میں کچھ اچھے شاعروں نے اپنی تمام تر توجہ غزل پر بطور خاص مرکوز کی ہے جن میں مظفر حنفی، عنوان چشتی، شجاع خاور، عرفان صدیقی، امین اشرف اور اسعد بدایونی کے نام نمایاں ہیں۔ اور انہیں لوگوں میں آپ بھی شامل ہو گئے ہیں۔ یہاں میں نے صرف چند قابلِ ذکر شاعروں کا نام لیا ہے ورنہ یہ فہرست بہت لمبی ہے اور ان لوگوں کی انفرادی شناخت بھی مشکل ہے۔ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے (غزل کے ساتھ) نظم پر زیادہ توجہ دی ہے۔ اور نہ صرف اسے عصری حسیت کا آئینہ بنانے کی کوشش کی ہے بلکہ جدید نظم اور خاص طور سے آزاد نظم کے خدوخال سنوارنے میں اہم کردار ادا کیا ہے اور یہ سلسلہ اختر الایمان سے شروع ہو کر عبد الاحد ساز وغیرہ تک جاتا ہے۔ اور میرا تعلق بھی اسی سلسلے سے ہے۔ اور اختر الایمان سے پہلے ن، م، راشد فیض اور سردار جعفری وغیرہ سے بھی نظم کیلئے اور وسیع امکانات کی نشاندہی کی تھی۔

تیسری طرف وہ لوگ ہیں جو نثری نظم ہی کو مستقبل کی شاعری اور اہم عصری شاعری منوانے پر مصر ہیں، اور میں کئی بار اس خیال کا اظہار کر چکی ہوں کہ نثری نظم سہل انگاری کی زائیدہ اور شعری صلاحیتوں سے محرومی کا استعارہ ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ وقت کس رجحان کو اعتبار کی سند دیتا ہے۔ یا پھر ان سب سے بالاتر کوئی زیادہ نمائندہ شعری اظہار وجود میں آتا ہے۔

/☆☆☆/
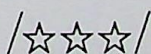
پرکاش فکری

میں بے حد شکرگذار ہوں کہ آپ نے مجھے اپنے انتہائی خوبصورت اور میرے لئے انتہائی کارآمد شعری مجموعے "انہار" سے نوازا۔

آپ کو شب خون میں تواتر سے پڑھتا رہا ہوں اور آپ کے شعروں سے فنی حرارت اخذ کرتا رہا ہوں۔ مجھے آپ کا کلام بہت اچھا لگتا ہے۔ اس میں ڈھیروں ایسی خوبیاں ہیں جو آپ کی شاعری کو ایک منفرد مقام عطا کرتی ہیں۔ فاروقی صاحب نے آپ کی شاعری کے متعلق جو باتیں کہی ہیں وہ باتیں سچی ہیں۔ میں بھی آپ کی شاعری کو اسی زاویے سے دیکھتا رہا ہوں۔ مگر میرے پاس اظہار کی زبان نہیں۔

آپ کا یہ پہلا مجموعہ ہے آپ کی تخلیقی صلاحیتوں سے امید ہے کہ آپ کے آنے والے مجموعے نئی غزل کے ممتاز نمونے ہونگے۔ اور جس سے نئی غزل مزید مستحکم ہوگی۔ آپ کی ہر غزل میں کوئی نہ کوئی شعر ایسا ہے کہ جس سے گریز ناممکن ہے۔

/☆☆☆/

کرشن کمار طور

تازہ شب خون میں تمہاری غزلیں میں نے دیکھیں، پڑھیں اور دیر تک ایک سحر انگیز سرشاری میں مبتلا رہا۔ غزلوں میں سے یہ اشعار مجھے اپنی جاں کے قریب لگے۔

جستجو اپنی مجھے کھینچ کے لائی تھی یہاں
میں اسی فکر میں گم تھا کہ ملے تم سرِ راہ

مری خامشی کہ واقف ابھی حرف سے نہ ہوگی
ابھی اس کو ہے گذرنا کئی سخت مرحلوں سے

چمکی تھی ہجر میں یوں اک وصل کی تمنا
پرنور ہو گیا تھا ماحول سارے گھر کا

بحرِ ظلمات کیوں سرکشی پر ہے آمادہ اتنا یہاں
اس خرابے میں آباد کیا اب کوئی بھی قلندر نہیں

اسے آنکھوں پر ثبت کر لیں ہم
قابلِ دید ہے فقیر کی چپ

اکڑ اکڑ کے چلوں کیوں نہ کوئے قاتل میں
گڑا ہوا ہے بدن میں خزانہ غم دل

اتنے اچھے شعر کہنے پر میری دلی مبارکباد۔ تمہاری غزلوں میں جو ایک حیرتی ،استعجاب زیریں لہر کی طرح سطح کن پر متمکن ہے وہ نہ صرف مثالی ہے بلکہ لفظی انسلاکات کی ایک ممکنہ سعی کے روپ میں بھی ابھر کر سامنے آتا ہے۔ تم شعر کے مثالی اور روایتی پیمانوں کے شاعر نہیں ہو بلکہ اس سراب بے آب و گیاہ میں ٹھنڈے اور شیریں پانی کے چشمے خود تلاش کرتے ہو اور اپنے محسوسات کو اوروں سے مشترک کرتے ہو۔ اوپر کہی ہوئی باتوں کے جواز اور مثال میں تمہاری ایک غزل جس کا مطلع ہے۔

سبزہ و خوشبو میں اک سیلاب خوں پوشیدہ ہے
شہر کی دہلیز پر قہر سیہ خوابیدہ ہے

روشن کرنا چاہوں گا۔ یہ تمام کی تمام غزل نور و ظلمت کے اسی منظرنامے کے دلیل کے طور پر فروزاں ہوئی ہے جو تمہاری شاعری کا وصف ہے۔

خدا تمہیں خوش رکھے کہ تم نے میرے ذہن و دل کے دریچے وا کئے اور خوشگوار جھونکے سے مجھے رمز و شناس کیا۔

/☆☆☆/

ڈاکٹر شمس بدایونی

ہفتہ عشرہ بھر پیشتر آپ کا مجموعہ کلام انہار موصول ہوا۔ اس شعری تحفے کیلئے ممنون ہوں۔

میں نے پہلی فرصت میں اس کا مطالعہ کیا مجھے محسوس ہوا کہ اشعار میں تغزل کی عسرت اور ندرت، الفاظ و تراکیب کی کثرت ہے جس کے نمود کیلئے آپ نے سعی کی اور معنویت کو پر بداہت آہنگ دینے کیلئے بہت زیادہ فکر کی۔ غزل کی روایت، غزل کے مجلسی کلچر اور غزل کے قلب پرور کرنے والے اسلوب سے گریز کا باعث شاید کشمیر کا جدید منظر نامہ یا خود آپ کا کشمیری اور کشمیری زبان کا شاعر ہونا ہوسکتا ہے۔ الفاظ و تراکیب کی بداہت اسلوب بیان کی رمزیت، ادراک وحسیت، ایک خطۂ ارض کی وراثت غیر منتقلہ حقائق نہیں ہیں۔ اردو غزلیات کا یہ فکری آہنگ خود آپ کی ذہنی ساخت کا نتیجہ ہوسکتا ہے۔ یا بنیادی طور پر اردو غزل کی لالہ رنگی کے مقابلے میں آتش چنار کی تپش کے زیر اثر ہے۔ یہ دبستان دہلی یا لکھنو کی غزلیات نہیں ہیں۔ ان کا فکری آہنگ دیگر دبستانوں سے مختلف ہے اور شاید یہی آپ کی انفرادیت ہے۔ جس کی پائیداری کا فیصلہ مستقبل کرے گا۔ اتنا خوبصورت اور دلکش مجموعہ کلام کی اشاعت پر میری جانب سے مبارکباد قبول کیجئے۔

/☆☆☆/

غلام مرتضٰی راہی

انہار کا موقر شعری تحفہ ہمدست ہوا۔ شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے یاد رکھا اور اپنے یکجائی کلام کے مطالعہ سے سیرابی ذوق کا لطف حاصل کرنے کا موقعہ عنایت کیا۔

غزل آج بھی اشاروں اور کنایوں میں گفتگو کرنے کا نام ہے۔ اور میرے خیال میں یہی رمزیت وایمائیت آپ کی غزل کا بنیادی وصف ہے۔ اچھی اور سچی شاعری کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ وہ قاری سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کا مطالبہ کرے۔ یہ خوبی مجھے انہار کے ہر ہر صفحہ پر مل رہی ہے۔ مجموعے میں شامل شمس الرحمٰن فاروقی حامدی کاشمیری اور حکیم منظور صاحبان کے رشحاتِ قلم سے اردو ادب میں اس کی معنویت اور اہمیت مسلم ہوئی ہے۔

انہار صوری اور معنوی ہر دو لحاظ سے قابلِ قدر ہے۔ مبارکباد۔

/☆☆☆/

ترنم ریاض

انہار نے آپ کے سارے راز طشت از بام کر دئے کہ گردو پیش سے بظاہر بے نیاز سے نظر آنے والے اس شخص کے اندر کتنا حساس شاعر رہتا ہے کہ جوزمین تو زمیں، عرش کے معاملات سے بھی کیسا قریب ہے۔

میری وادی کا ہر فن شناس یہ جانتا ہے کہ رفیق راز کشمیری زبان کے ایک بلند پایہ شاعر ہیں۔ مگر بیشتر لوگ شاید یہ کم کم ہی جانتے ہیں کہ وہ اردو میں بھی اتنی ہی عمدہ شاعری کرتے ہیں۔ صد مبارک!۔ کہ

ہم سخن فہم ہیں، غالب کے طرف دار نہیں

اردو زبان کا قاری اس قلندرانہ، دردمندانہ، پر جلال اور حساس شاعری کو دیر تک یاد رکھے گا۔

یہ آسمان یہ چاند ستارے یہ آفتاب
آثار ہی تو ہیں ترے نام و نمود کے

گفتار لے گیا ہے وہ پہلے ہی وار میں
ڈرتا ہوں اب وہ نغمہ زنجیر بھی نہ لے

کوئی سرگوشی نہیں ہے، سرسراہٹ بھی نہیں
گھراسناٹا ہے کوئی حادثہ ہونے کو ہے

ہڑتال ہے، فساد ہے، کرفیو ہے، بندھ ہے
کیا کیا ہیں میرے ہجر کے اسباب شہر میں

ابر بردوش پہاڑوں سے اتر آئے تھے
ہم کہ پھر برق، فنا ہی کو نظر آئے تھے

وہ جو سورج کے تعاقب میں گئے تھے شاید
وہ سبھی رات گئے خون میں تر آئے تھے
یا شعور کے نازک تاروں کو مضراب کی طرح چھو لینے والے یہ اشعار۔

کس نے محسوس بہت میری کمی کر لی تھی
لس لے چہرے پہ کئی نقش ابھر آئے تھے

اس نے بھی روپ دھار لیا سیلِ تند کا
میں بھی ڈٹا ہوں ریت کی دیوار کی طرح

ہر گلِ تر پہ ایک گردسی
ہر طرف اک بہارِ زردسی

پروں میں نور کا موسم چھپائے ایک اک کر کے
اترتے ہیں مری چھت پر کبوتر شام ہوتے ہی
یا پھر حالات کے جبر و استبداد پر یہ باغیانہ طنز
وہ جو اپنے ہی فلک پر ہے ستارہ سا اسیر
میری دھرتی پہ گرجتا ہے سمندر کی طرح

ڈالی گئی ہیں کلفتیں اس میں ہزار ہا
دامن ہے تار تار جلالی فقیر کا
/☆☆☆/

پرتپال سنگھ بیتاب

بہت خوبصورت مجموعہ کلام انہار موصول ہوا۔ شکریہ۔

رفتہ رفتہ ورق گردانی ہو رہی ہے۔ مجموعہ بہت اچھا چھپا ہے۔ سرورق بھی دیدہ زیب ہے۔ مبارکباد قبول فرمائیں۔

آپکی شاعری کو میں قریب قریب شروع سے ہی پڑھ سُن رہا ہوں۔ آپ کشمیر میں منفرد لہجے کے شاعر ہیں۔ حالانکہ آپ کی شاعری میں معاصر حالات کا عکس دکھائی دیتا ہے لیکن اسلوب و بیان کے اعتبار سے آپ مکمل آزاد سوچ کے مالک ہیں۔ آپ طبیعت کے شاعر ہیں اس لئے آپ کے اشعار میں لگاوٹ بناوٹ کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ بلکہ آپ کی شاعری سچی شاعری دکھائی دیتی ہے۔ اردو کی ادبی دنیا میں آپ کی منفرد شناخت ہے۔ میں تو خود آپ کی شاعری کا ہمیشہ سے مداح رہا ہوں۔

کبھی فرصت میں آپ کی شاعری پر اپنے تاثرات تفصیل سے تحریر کردوں گا۔ فی الحال "انہار سے تعلق میری دعائیں قبول فرمائیں۔

/☆☆☆/

رفیق راز کا نمونہ کلام

غزل

دیارِ جسم سے صحرائے جاں تک
اڑوں میں خاک سا آخر کہاں تک

کچھ ایسا ہم کو کرنا چاہیئے اب
اتر آئے زمیں پر آسماں تک

بہت کم فاصلہ اب رہ گیا ہے
بپھرتی آندھیوں سے بادباں تک

میسر آگ ہے گل کی نہ بجلی
اندھیرے میں پڑے ہیں آشیاں تک

یہ جنگل ہے نہایت ہی پراسرار
قدم رکھتی نہیں اس میں خزاں تک

وہیں تک کیوں رسائی ہے ہماری
نقوش پا زمیں پر ہیں جہاں تک

نکل آو حصارِ خامشی سے
جو دل میں ہے وہ لاؤ بھی زباں تک

یہاں شیطاں پہ ہے اک لرزہ طاری
نہیں اٹھتا چراغوں سے دھواں تک

غزل

یہ کیسی روشنی رقصاں تھی شب سرِ افلاک
چراغ تھا کہ ستارہ کہ نالۂ بیباک

مرا شکار بھی کر ، میں حرم کا صید نہیں
بنا ہی ڈال مجھے بھی تو زینت فتراک

وہ قافلے بھی اسی راستے سے نکلے تھے
وہ قافلے بھی سفر میں ہی ہو گئے تھے ہلاک

ابھی میں اپنے شکاری کا منتظر ہی ہوں
اڑا رہا ہوں ابھی صید گاہ عشق میں خاک

خیال کو تری خوشبو کہیں سے آئی ہے
رواں ہے اب تری جانب یہ توسن چالاک

غزل

روشن کیے چراغ دعا کا زبان پر
دستک میں دے رہا ہوں درِ آسمان پر

چلتے تھے اور پاؤں سے اڑتی تھی خاک بھی
سایہ عجب سفر میں رہا کاروان پر

اس شہر میں تو بات ہے موسم کی معتبر
دیتا ہے کون دھیان شجر کے بیان پر

اک خانقاہ کیوں نہ ہو تعمیر اس جگہ
سجدے کا اک نشان ملا ہے چٹان پر

آئے یہاں بھی کوئی قیامت بپا کرے
طاری ہے اک سکوت سا دل کے جہان پر

میں اپنے تیردان میں رکھتا ہوں تیر بھی
تو اعتماد کرتا ہے خالی کمان پر

یہ راستہ بھی ہوگیا اب شاہراہِ عام
لاکھوں نشاں ہیں میرے قدم کے نشان پر

رکھتا ہوں اپنے پاس ہی اپنا کلام نغز
بیٹھا ہوں مثلِ مار میں سونے کی کان پر

آزاد جنگلوں میں پھر رہے ہیں آدمی
لی ہے پناہ شہر کے اونچے مچان پر

فی الحال گہری سوچ میں گم ہے رفیقؔ راز
رکھا ہوا قلم بھی ہے فی الحال کان پر

غزل

بحر ذخار سے اس دل کا سراب اچھا ہے
یعنی ہر حال میں یہ خانہ خراب اچھا ہے

اس کا تادیر اثر ہم پہ رہے گا ہی نہیں
اب کے اترا جو فلک سے وہ عذاب اچھا ہے

جس کی قسمت میں ہے بنتے ہی فنا ہوجانا
اس جہاں میں تو وہی نقش برآب اچھا ہے

زہر موسم کی خبر جس کے مہکنے سے ملے
سارے گلشن میں وہی ایک گلاب اچھا ہے

اب کے ممکن ہے برس جائے زمیں پر بھی مری
گھر کے آیا ہے فلک پر جو سحاب اچھا ہے

آج دیدار کی خواہش بھی نہیں اتنی شدید
آج چہرے پہ بھی تیرے یہ نقاب اچھا ہے

رنگ آنکھوں میں چمکتا ہے اسی کا تادیر
جو کسی نے بھی نہ دیکھا ہو وہ خواب اچھا ہے

غزل

پتے ہلتے بھی نہیں تیز ہوا کے ہوتے
رک گیا کارِ جہاں کیوں ہے خدا کے ہوتے

خاک پر ایک تذبذب میں ہیں سب اہلِ زمیں
غیر محفوظ ہیں سب سر پہ سما کے ہوتے

شہر خوباں کی سکونت سے کہیں بہتر تھا
ہم مسافر ہی کسی دشت بلا کے ہوتے

ایک سناٹے کی دہشت سی مچی ہے ہر سو
اور ہیں پاس ہی میں کوہِ ندا کے ہوتے

ہم کبھی خاک نشیں ہیں کبھی افلاک نشیں
گھر بنایا نہ کبھی ارض و سما کے ہوتے

مجھ تک آئی نہ ترے زلف و بدن کی خوشبو
اور یہ ظلم ہوا بادِ صبا کے ہوتے

آفت آجاتی کوئی شہر رقیباں پر بھی
کوئے جاناں میں بھی دو چار دھما کے ہوتے

لا کی پہنائیوں کی سیر بھی کر سکتے نہیں
بھاگ سکتے بھی نہیں ارض و سما کے ہوتے

دیکھ افلاک کی پر ہول خموشی میں ابھی
فرق آیا نہ کوئی لب پہ دعا کے ہوتے

غزل

کچھ اس ادا سے وہ منظر پھر آشکارا ہوا
اندھیری رات میں فوارۂ شرارہ ہوا

امید خشک زمیں پر ہی پھر گیا پانی
سیاہ ابر کا پارہ ہی پارہ پارہ ہوا

مرے سکوت سے بوئے زمیں نہیں آتی
کہ یہ سکوت خلاؤں سے ہے اُتارا ہوا

سفر میں اتنی مسافت ہوئی ہے طے مجھ سے
مری نظر میں فلک خود کوئی ستارہ ہوا

ہمارے ہونے کی بجلی گری تھی بس اک بار
یہ حادثہ نہ یہاں پھر کبھی دوبارہ ہوا

چراغ کو بھی اجازت ملی لرزنے کی
ہوا کو رقص بھی کرنے کا اک اشارہ ہوا

یہ کاروبارِ جہاں میرے بس کی بات نہیں
کہ امتیاز برتنے پہ بھی خسارہ ہوا

مرے سکوت میں تجھ سے ہی روشنی تھی کوئی
مرا سکوت بھی تجھ سے ہی استعارہ ہوا

غزل

سائے چپکے ہوئے ہیں اونگھتی دیواروں سے
خوف آتا ہے مجھے راہ کے نظاروں سے

اب بھی طاری ہے کہستاں پہ فقیروں کا سکوت
اب بھی آتی ہے خموشی کی صدا غاروں سے

میں تو اک سلطنتِ خاک کا شہزادہ ہوں
کام کیا مجھ سے تہی دست کو بازاروں سے

اب نہ ہوتا ہے اندھیرا ہی تری زلفوں سے
اور نہ ہوتی ہے کوئی روشنی رخساروں سے

خواب کی فصل ہی آنکھوں میں اُگا دے کوئی
کاٹے کٹتی ہی نہیں شب ترے بیماروں سے

حیرت آبادِ جہاں کے یہ اجالے ہیں رفیق
رونق آنکھوں میں نہیں شہر کے مہ پاروں سے

غزل

خالی ہاتھ ہیں بات مگر کچھ اور ہی ہے آواروں کی
دو دو آنکھوں سے یہ رونق لوٹتے ہیں بازاروں کی

اپنی سنا کیا رینگتا ہے تو اب بھی اُسی کے کوچے میں
میری چھوڑ میں خاک اڑاتا پھرتا ہوں سیاروں کی

اک مدت کے بعد ہلی ہے شہر کی ا یہ بدمست زمین
ایک ہی جھٹکے میں اکتاہٹ دور ہوئی دیواروں کی

گرم لہو کی بارش بھی اس تپتی زمیں پر خوب ہوئی
دھوپ بھی پر کچھ کم تو نہیں تھی لہراتی تلواروں کی

جب تک فکر کے گلشن میں حیرت کے پھول کھلیں گے نہیں
کوکھ رہے گی تب تک خالی یاروں کے فن پاروں کی

غزل

رفتار اپنی تیز نہ کر اے سوار دیکھ
وحشت زدہ ہے دشت میں تیرا شکار دیکھ

یوں ہی نہیں چمکتی ہیں آنکھوں میں حیرتیں
نازک نہال سبز میں پوشیدہ نار دیکھ

اک قطرۂ سکوت میں دریا کا شور سُن
اک روشنی کی بوند میں امکاں ہزار دیکھ

مت سوچ موسموں نے لگائی یہ کس طرح
کس آگ میں نہائے ہوئے ہیں چنار دیکھ

وہ منظر جمال ہے ادارک سے پرے
ساحل سے آگے سرحد امکاں کے پار دیکھ

تو نے سپر ہی توڑ دی میرے سکوت کی
اب تو یہ کان کھول کے میرے بھی وار دیکھ

نخلِ ہوس کے سائے میں جلنے سے پیشتر
باغِ بدن پہ چھائی ہے کیسی بہار دیکھ

اس بحرِ بے کنار کو پہلے عبور کر
پھر ساحلِ سکوت پہ خود کو اتار دیکھ

اس کارواں نے کوچ کیا ہے ابھی ابھی
اڑتی ہوئی یہ خاک یہ گردو غبار دیکھ

اترا ہے کس جگہ پہ رگڑتا ہے ایڑیاں
پیاسا کئی دنوں کا وہ ناقہ سوار، دیکھ

اک موج کی صدا ہوں خلاؤں کے آر پار
کس بحرِ بے کنار سے ہوں ہم کنار دیکھ

خوابوں سے عاری دیدۂ دیوار بھی نہیں
یہ آتشیں سرور یہ رنگ خمار دیکھ

بے منظری میں بھی ہیں نظارے ہزارہا
آنکھوں کو بند کر کے ذرا ایک بار دیکھ

بیرون جسم عمر گزاری رفیق رازؔ
اک رات اپنے آپ میں اب تو گزار دیکھ

غزل

سیاہ دشت کی جانب سفر دوبارہ کیا
نہ جانے قاف کی پریوں نے کیا اشارہ کیا

نہ تیز و تند ہوا سے ملی نجات مجھے
نہ میں نے سلطنتِ خاک سے کنارہ کیا

فلک کی سمت نگاہیں اٹھانے سے پہلے
زمیں کے سارے مناظر کو پارہ پارہ کیا

سیاہ بن میں چمکتا ہوں مثلِ دیدۂ شیر
یہ کس نے ذرۂ آوارہ کو ستارہ کیا

خمارِ خواب اترنے میں تھوڑی دیر لگی
پھر اس کے بعد بڑے شوق سے نظارہ کیا

یہ کس نے موند کے آنکھوں کو پھر سے کھول دیا
یہ کس نے آپ کو دنیا پہ آشکارا کیا

ہمارے ہونے کے منظر کی بھی کرامت دیکھ
تمہاری چشم کو فوارۂ شرارہ کیا

نشے میں نقشہ ریاست ہی کا بگاڑ دیا
یہ کیا کیا کہ سمر قند کو بخارا کیا

غزل

نہ پوچھ وہ شجر سایہ دار کیوں تھا عجب
اسے تو تیز ہواؤں میں بھی سکوں تھا عجب

کبھی نوشتہ دیوار پڑھ نہ پایا میں
اس ایک سایہ دیوار کا فسوں تھا عجب

زمین پاؤں تلے سے نکل گئی تھی مگر
سروں پہ سایہ کیے چرخ نیلگوں تھا عجب

تمہارے قرب کی خواہش میں خود سے دور ہوئے
مسافران بیاباں کا بھی جنوں تھا عجب

اسی کے دم سے ابھی ہے زمین دل سیراب
گرا جو تپتی ہوئی ریت پر وہ خوں تھا عجب

اسی کے سائے میں دنیا پناہ لیتی تھی
تمہارے ہاتھ میں وہ پرچم نگوں تھا عجب

رباعیات

رفیق راز

نکلا ہے پہن کے وہ نیا رخت سیاہ
ظلمات کا لگتا ہے کوئی لخت سیاہ
دامن اسی کا کیوں نہ پکڑلوں میں بھی
شاید کہ منور ہو مرا بخت سیاہ

ذرے ہو، روشنی ستاروں سے نہ مانگ
پیاسے ہو تو آب کناروں سے نہ مانگ
حیرت کے اجالے میں ہر اک شے کو دیکھ
بینائی نادیدہ نظاروں سے نہ مانگ

رباعیات

رفیق راز

یہ نکتہ تو کھول مالک ہست و بود
ہر شے ہے ترے ہی دم سے جب نور آلود
پھر کیوں ہے درون جسم تیرے ہوتے
اک تیرہ و تاریک بیاباں موجود

میں مثل شمع نور بھی نار بھی ہوں
سالک ہوں گرفتار شب تار بھی ہوں
خائف ہوں ہی باد مخالف سے اُدھر
سانسوں سے اِدھر بر سر پیکار بھی ہوں

ریحانہ اختر ریاست جموں وکشمیر کی ایک ابھرتی ہوئی قلمکار ہیں۔
انہیں تنقید، تحقیق اور تدوین کا ذوق قدرت کی طرف سے ودیعت
ہوا ہے۔ ان کی کتاب ''شمس الرحمان فاروقی اور تفہیم غالب''
غالبیات کے موضوع پر ایک اہم اضافے کا درجہ رکھتی ہے۔ وہ
جس لگن اور سنجیدگی سے مطالعۂ ادب میں منہمک ہیں اس سے ان
کے تابناک ادبی کیریئر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر نذیر آزاد

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
3108, Gali Vakil, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6 (INDIA)
Ph: 23216162,23214465 Fax : 0091-11-23211540
E-mail :info@ephbooks.com, ephdelhi@yahoo.com